تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

جلد نمبر ۳۱ | مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ | شمارہ نمبر ۱۴

۲۵ مئی ۱۹۹۴ء
۱۳ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

نگران اعلیٰ
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا محمود الازہار ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی — مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبد اللہ حسنی ندوی — مولانا محمد رضوان ندوی
ڈاکٹر ہارون رشید

زر تعاون ملکی
سالانہ ۱۰۰ روپے
فی شمارہ ۵ روپے

بیرون ملک فضائی ڈاک
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ۲۵ ڈالر

بیرون ملک بحری ڈاک
بحری ڈاک جملہ ۱۰ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ
مینجر تعمیر حیات پوسٹ بکس 93
ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

نوٹ
چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر تعمیر حیات جاتا ہے اس کی صراحت منی آرڈر کوپن پر ضرور کریں۔

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کیلئے شائع کیا

درس حدیث

اسلام میں باغبانی و زراعت کی فضیلت

ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی ——— ترجمہ: شمس الحق ندوی

"عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن مسلم یغرس غرساً أو یزرع زرعاً فیأکل منہ طیر أو إنسان أو بھیمۃ إلا کان لہ بہ صدقۃ"۔[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو مسلمان بھی کوئی پودا لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے پھر اس میں سے کوئی پرندہ، انسان یا کوئی بھی جاندار کھاتا ہے تو یہ سب صدقہ میں شمار ہوتا ہے (یعنی جو صدقہ کا ثواب ملتا ہے وہی ان جانوروں کے کھانے میں بھی ثواب ملتا ہے خواہ کھیت یا باغ والا اس کو ناچاہتا ہو جب بھی)۔

اسلامی نقطۂ نظر سے انسان پوری کائنات میں روئے زمین پر جو جاندار مخلوقات پائی جاتی ہیں ان میں سب سے افضل اور قدر و منزلت والا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت سی خصوصیات سے نوازا اور دوسری مخلوقات پر اس کو گوناگوں صفات سے بلند بنایا ہے۔ اور چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بڑے اونچے اور زبردست مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے اسی لیے اس کو خلعت خلافت سے نوازا اور کائنات سے اس کو جوڑ دیا ہے ایسا کہ اس کو اس میں ترقی دینے، بڑھانے اور اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کو اپنے فائدہ کے لائق بنانے کی ذمہ داری ڈال دی ہے، قرآن پاک کا یہ ارشاد اسی حقیقت کو بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناءً وأنزل من السماء ماءً فأخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم فلا تجعلوا للہ أنداداً وأنتم تعلمون"۔[2]

جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے مینہ برسا کر تمہارے کھانے کے لیے انواع و اقسام کے میوے پیدا کیے پس کسی کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ اور تم جانتے تو ہو۔

دوسری آیت میں فرمایا:

"ھو الذی أنزل من السماء ماءً لکم منہ شراب ومنہ شجر فیہ تسیمون ینبت لکم بہ الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات إن فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون"۔[3]

وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اس سے درخت بھی (شاداب ہوتے ہیں) جن میں تم اپنے چارپایوں کو چراتے ہو۔ اسی پانی سے وہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور (اور بے شمار درخت) اگاتا ہے اور ہر طرح کے پھل (پیدا کرتا ہے) غور کرنے والوں کے لیے اس میں (قدرت خدا کی بڑی) نشانی ہے۔

لہٰذا یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ کائنات کی چیزوں کے خصائص و فوائد اور ان کو کام میں لانے کے طریقے معلوم کرے، تاکہ ان سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے، اس کی یہ کوشش و کاوش حکم خداوندی کی تعمیل و امتثال امر کا مظہر ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ھو الذی جعل لکم الارض ذلولاً فامشوا فی مناکبھا وکلوا من رزقہ وإلیہ النشور"۔[4]

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کیا تو اس کی راہوں میں چلو پھرو اور خدا کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور (تم کو) اس کے پاس (قبروں سے) نکل کر جانا ہے۔

آیات مذکورہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بندۂ مومن کی ذمہ داری ہے کہ روئے زمین کو آباد کرے، کھیتی و باغبانی کر کے، تحقیق خواص اشیاء اور ایجادات کر کے، وہ افتادہ و بنجر زمین کو قابل کاشت و باغبانی بنا کر اس کو آباد و زندہ کرے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے غیر آباد (بنجر) زمین کو آباد و قابل استعمال بنایا وہ زمین اسی کی ملکیت ہو گئی۔[5]

حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے روایت فرمایا ہے۔ (باقی صفحہ ۳۰ پر)

اس شمارے میں

۱	درس حدیث	شمس الحق ندوی	۲
۲	عید قرباں کی مسرت	(مولانا) محمد رابع ندوی	۵
۳	علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کا کام	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۷
۴	ایک خاتون کا قبول اسلام	عبدالعلیم (متعلم)	۱۲
۵	شیاطین اور سحر	ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی	۱۳
۶	گیان واپی	(مولانا) محمد خالد ندوی	۱۵
۷	ملاقات کے آداب	(ترجمہ) مولانا عبید اللہ اسعدی	۱۸
۸	سود خاتمہ	" مسعود حسن حسنی	۱۹
۹	ہمارا آئینی حق	رپورٹ	۲۰
۱۰	حیات بعد الممات	ڈاکٹر صفیہ نسیم	۲۱
۱۱	بیت المقدس	محمد ابراہیم ندوی	۲۲
۱۲	حکیم محمد احسن رح	مولانا زکریا ندوی	۲۴
۱۳	مولانا محمد یوسف بستوی رح	مولانا محمد خالد ندوی	۲۵
۱۴	سوال و جواب	محمد طارق ندوی	۲۷
۱۵	غازی پور کا جلسہ	شمس الحق ندوی	۲۸
۱۶	عالمی خبریں	معید اشرف ندوی	۳۱

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/ روپئے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

اشتہار کا نرخ

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

پاکستان
Mr. ATAULLAH SB.
SECTOR A-5 NEAR SAUDI QUARTAR
H. No. 109 TOWN SHIP KAURNGI
KARACHI - PAKISTAN - 31

قطر
ABDUL HAI NADVI
Po. Box No. - 10894
DOHA - QATOR

برطانیہ
Mr. MOHD. AKRAM NADVI
C/o Dr. FARHN NIZAMI
ST. CROSS COLLEGE
OXFORD - UK

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLOO
Po. Box No - 388
VERENIGING
(S. AFRICA)

ریاض
Mr. SAEED MURTAZA NADVI
Po. Box No - 3922
RIYAZ - 11481 S. ARABIA

اداریہ

عید کی مسرت اور قربانی

(مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

اسلام میں نیت کی بڑی اہمیت ہے، اعمال کی سزا و جزا سے اس کا بہت تعلق ہے، کوئی اچھا عمل دیکھنے میں بظاہر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن بعض وقت حقیقت اس کے خلاف نکلتی ہے اور اس کے پیچھے نیت کی خرابی یا نیت کا فتور پایا جاتا ہے اور بعض وقت دیکھنے میں اس کا عمل کوئی خاص اچھا عمل نہیں معلوم ہوتا لیکن اس کے پیچھے بڑی اچھی نیت ہوتی ہے اور وہ عمل اپنے کرنیوالے کو اپنے رب کے یہاں بہت مقبول بنا دیتا ہے۔ حدیث شریف میں اعمال کا دار و مدار نیت پر بتایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں اسی نیت کی اہمیت بتاتے ہوئے ہجرت جیسے عمل کو جو کہ دیکھنے میں اور ظاہری طور پر بہت اعلیٰ عمل ہے یہ فرمایا گیا کہ اگر وہ اللہ کے لئے ہوئی ہے تو اللہ کے لیے قرار پائے گی اور اگر اس کے پیچھے کسی دنیاوی غرض کا حصول ہے یا کسی عورت کے پیش نظر ہے تو وہ اسی کی قرار پائے گی۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا کہ اگر دو مسلمان آپس میں لڑیں اور ایک دوسرے کو قتل کرنے کے درپے ہوں تو مار ڈالنے والا اور مارا جانے والا دونوں جہنم جائیں گے، دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ مار ڈالنے والا قاتل ہے اس کے بارے میں بات سمجھ میں آئی لیکن مارے جانے والے کا یہ نتیجہ کیوں ہوگا۔ فرمایا کہ وہ بھی اپنے مقابل کو مار ڈالنے پر درپے تھا۔

اسی طرح ایک غزوہ میں آپ نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ مسلمان ایسے رہ گئے جو ساتھ نہیں آسکے لیکن وہ تمہارے جہاد کے ثواب میں شریک ہیں، وہ دراصل بیماری کی وجہ سے نہیں آسکے، یعنی وہ لوگ اس جہاد میں شرکت کی پوری نیت و جذبہ رکھتے تھے لیکن معذوری کی وجہ سے بے بس ہوگئے، ایسے لوگ بغیر عمل کے عمل کرنے والوں کی طرح اجر و ثواب کے مستحق ہوگئے۔

نیتوں کو اللہ تعالیٰ جانتا اور دیکھتا ہے اور عمل کو اسی کے مطابق قبول کرتا ہے، یہ ایسا معاملہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے بہت ڈر کا بھی ہے اور بہت امید و خوشی کا بھی ہے، ہم اپنے کسی معمولی سے معمولی عمل کو بڑے عمل کے اجر کا مستحق بنا سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے بڑے سے بڑے عمل کے بارے میں ڈر محسوس کر سکتے ہیں کہ ہمارے نفس نے ہم کو دھوکہ دے کر غلط خیال تو نہیں پیدا کر دیا ہے کہ ہماری تمام ظاہری محنت اور قربانی نیت کے فتور کی وجہ سے ضائع ہو جائے، اور ہم صدقہ و خیرات کریں اور وہ خدانخواستہ نام و نمود کی طلب کے خانے میں ڈال دیا جائے، اور یا کوئی اچھا عمل کریں اور وہ کسی دنیاوی مصلحت کے خانے میں ڈال دیا جائے، ہم خوش فہمی میں رہیں اور بعد میں اس کے بے قیمت و بے اثر ثابت ہونے کا پتہ چلے۔ یہ بہت اہم بات ہے اور ہم کثرت سے اس معاملہ میں خطرہ سے دوچار ہو سکتے ہیں کیونکہ انسان کے نفس نے اس کو بہت دھوکہ دیا ہے اس لیے ہر ایک کو اس پر نظر رکھنا ضروری ہے اسی لیے اسے عمل کا برابر محاسبہ کرتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے، اور صحابۂ کرام کے یہاں اپنے عمل کا برابر محاسبہ ملتا ہے وہ اچھے عمل کرتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے۔ زندگی کے حالات مختلف ہوتے ہیں، عمل کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں، کبھی شکر کا موقع ہوتا ہے، کبھی صبر کا موقع ہوتا ہے، رمضان آتا ہے روزے رکھنے ہوتے ہیں، حج آتا ہے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا ہوتی ہیں، پھر ان دونوں کے بعد عید آتی ہے وہ مسرت اور خوشی کا موقع ہوتا ہے ان سب میں نیت اصل ہوتی ہے۔

دونوں عیدوں میں پروردگار کا شکر اور اپنی عبدیت کا اظہار ہوتا ہے، رمضان کی عید میں شکر رمضان کے روزوں کی ادائیگی کا

کر خدا نے یہ پر مشقت کام کرا دیا، اور اظہار عبدیت اس طرح کہ اس کامیابی اور ادائیگی فرض کی خوشی عبدیت کے احساس کے ساتھ ہے، ایسی خوشی نہیں جو خدا کی پسند کے خلاف ہو اس میں نہ ناچ، نہ گانا، نہ اسراف، نہ کوئی تعیشاتی حرکت، اس میں اس نے نماز دوگانہ ادا کیا اور دوست واحباب سے اظہار مسرت کیا، ان کا اظہار مسرت قبول کیا اور ایک دوسرے کی خاطر کی اور خاطر قبول کی۔

عید قربان کا معاملہ اس سلسلہ میں اور بھی بڑھا ہوا ہے، یہاں سنت ابراہیمیؑ کی پیروی اور اس کے اندر پائے گئے جذبہ کی نقل کی کوشش ہوتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملا کہ اپنی اہلیہ اور شیر خوار بچے کو سب سے دور خالص اپنے پروردگار کے حضور میں لے جا کر ٹھہرائیں، نہ عزیز وپڑوسی ہوں اور نہ ماحول اور زندگی کے اسباب ووسائل، ناقابل کاشت جگہ پر چھوڑ کر چلے آئیں یعنی ظاہر میں ان کو زندگی کی توقعات کے دائرے سے باہر کر دیں، یہ عمل ان کے جذبۂ اطاعت وعبدیت کا سخت امتحان تھا کہ کیا وہ پورے ہوش وگوش کی حالت میں محض اپنے مالک کے حکم ومرضی پر قربان کر سکتے ہیں، انھوں نے ہمت کی اور ایسا کر دکھایا، اللہ تعالیٰ کو ان کا امتحان مطلوب تھا، وہ مالک کل ہے اس نے ماں اور بچے کو بچایا اور ان کی زندگی وبقا کی صورتیں اپنے غیب سے پیدا کیں، بچے کی پیاس پر ماں کیسی کیسی مضطرب ہوئی، باپ موجود نہیں جگر پانی وسبزہ سے بالکل عاری، ماں اس ٹیلے سے اس ٹیلے پر دوڑتی رہی اور بے چین ہوتی رہی، جب وہ اپنے صبر وبرداشت کا پورا امتحان دے چکیں تو اللہ نے وہیں زمین سے پانی کا چشمہ ابھار دیا، پانی مل گیا، خالی بے آب زمین سے ملا، اور زندگی کو قائم رکھنے کا یہ ذریعہ حاصل ہو گیا، اور ماں اور بچے نے اپنا کام چلایا، اعزہ سے پڑوسیوں سے دور تنہا مشقت کا پھیلا، بچہ بڑا ہوا، جوان ہوا، صحت مند وتوانا، باپ سال بسال آکر دیکھ جاتے، اور ایمان بڑھتا کہ مشکل امتحان دیا اور نتیجہ اچھا رہا، اطمینان وخوشی محسوس ہوتی لیکن پھر امتحان آگیا کہ یہ جوان فرزند جس سے تمہارا دل سرشار ہو رہا ہے اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دو، باپ سوچنے لگا یہ کیسے؟ لیکن پھر حکم آیا، اور پھر حکم آیا اور جب بات بالکل یقینی معلوم ہوئی تو اس عظیم نبی نے امتحان دینے کی ہمت کر ڈالی، بیٹے کو بتایا اور اس کی ہمت قربانی معلوم کر لی، اور آنکھ بند کر کے ہاتھ چلا دیا، اور اس امتحان سے بھی کامیابی کے ساتھ پار ہو گئے لیکن پروردگار کو قربانی بیٹے کی نہیں بیٹے کی محبت کی لینا تھی، ظاہری ہمت وحوصلہ کے ساتھ حقیقی ہمت وحوصلہ دیکھنا تھا، اس میں نیت کا امتحان بھی تھا۔ بہر حال بڑا امتحان تھا، اس کی کامیابی بھی غیر معمولی کامیابی تھی، اللہ کے یہاں وہ بے حد مقبول ہوا اور اس کا بے حد مرتبہ قرار پایا، چنانچہ تا قیامت اس کو مثال بنا دیا گیا، لیکن ایسی قربانی ہر ایک کے بس میں کہاں؟ البتہ صحیح نیت اور مخلصانہ جذبہ سے یک گونہ مشابہت اس کی اچھی نقل ہے۔ چنانچہ اس کی یہ نقل سال میں ایک دفعہ ہر ایک کے لیے رکھ دی گئی اور استطاعت کے لحاظ سے رکھی گئی ہے، کسی کی استطاعت یہ ہے کہ وہ مکہ جائے، جہاں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور صاحبزادہ اسمٰعیل علیہ السلام نے امتحان دیا تھا وہاں اس کی نقل کا اظہار کرے، اپنے وطن سے نکل کر اتنی دور کا سفر کرے، غریب الوطنی کی کیفیت میں چند روز گذارے، عرفات کے میدان میں کچھ وقت ذکر وعبادت میں رہے صفا ومروہ کے درمیان اس عظیم ماں کی طرح بھاگے دوڑے، اور منیٰ جا کر ایک جانور کو ذبح کرے۔

اور جس کو اس کی استطاعت نہ ہو وہ گھر رہتے ہوئے اس عظیم قربانی کا تصور کرے اور شکر وعبدیت کا اظہار نماز دوگانہ سے کرے اور استطاعت ہو تو ایک جانور قربان کرے، اور ہو سکے تو اس جانور کو پہلے سے حاصل کر کے گھر میں رکھے اس کو کھلائے پلائے، اس کو اپنے سے اور اپنے کو اس سے مانوس کرے پھر قربانی کے دن اس دل لگے جانور کو اپنے پروردگار کی مرضی کے حصول کے لیے ذبح کر ڈالے۔

عید کے روز نماز دوگانہ کی ادائیگی کے ساتھ، آپس میں ایک دوسرے سے ملے اور خوشی ہو اور خوشی کا اظہار کرے کہ اس سے خواہ کوئی بڑی قربانی نہ ہو سکی ہو لیکن یہ بھی کم نہیں کہ اس نے اپنے کو اس جماعت کا فرد بنایا جس کے اصحاب استطاعت واصحاب امتحان نے اپنے پروردگار کی رضا کی طلب میں بڑی سے بڑی قربانی دی جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی، انسان کی جان اللہ کی نظر میں بڑی قیمتی ہے اور پھر بیٹا، تو اس کی اصل قربانی اللہ کو کیسے گوارا ہو سکتی ہے البتہ اس کے پیچھے جو اپنی ذاتی پسند اور محبت ہے اس کو اس کی راہ میں قربان کر دیا گیا، اور جانور کی قربانی کو بھی اس بلند عمل کی نقل بنا دیا گیا پھر وہ جانور بھی ضائع نہیں کیا گیا بلکہ خود اور دیگر افراد کے کھانے میں استعمال ہوا۔

اور اس سب میں مسئلہ نیت کا ہے، اگر نیت ٹھیک تو قربانی کا جذبہ اور اس کی نیت بالکل عمل کی طرح بنا دیتا ہے اور اگر نیت میں فتور ہے تو بڑی قربانی بھی کام نہیں دے سکتی (باقی صـ۲۳ پر)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا کام اور پیغام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ذیل کا مضمون مولانا مدظلہ کی وہ تقریر ہے جو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں وائس چانسلر صاحب اور دیگر اہم شخصیات پروفیسران اور طلباء کی موجودگی میں کی گئی جس میں مسلم یونیورسٹی کے کام اور پیغام کو یاد دلایا گیا ہے۔ بلکہ اس ضمن میں ان تمام جدید تعلیم یافتہ حضرات کے دل کے تاروں کو چھیڑا گیا ہے جن کے دلوں میں دبی ہوئی ایمان کی چنگاری تجدید عزم وہمت کا ہلکا سا جھونکا پا کر شعلۂ جوالہ بن کر بھڑک اٹھنے کے لیے تیار ہے۔ یہ تقریر مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۹۴ء کو بمقام سرسید ہاؤس علی گڈھ میں ہوئی۔

ادارہ مولوی اکرام الحق صاحب ندوی کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے ٹیپ کی مدد سے تقریر نقل کر کے ادارہ کو اپنا تعاون دیا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم ودعا بدعوتھم إلی یوم الدین۔ أما بعد!

"فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ألا إن في الجسد مضغۃ، إذا صلحت صلح الجسد کلہ، وإذا فسدت فسد الجسد کلہ، ألا وھي القلب"۔

حضرات عالی مقام! مجھے تجربہ ہے کہ جس مسند پر کثیر تعداد میں ممتاز ترین شخصیتیں، نامورانِ قوم وملک جمع ہوں، نام لے کر تقریر کا آغاز کرنا، بعض اوقات بڑا خطرناک ہوتا ہے، ان میں سے کوئی ایک نام بھی رہ جائے تو بڑی کوتاہی اور ناانصافی پر محمول کیا جاتا ہے، اس لیے میں سب حضرات معززین کو جو اس وقت یہاں تشریف فرما ہیں، ان سب کا اجمالی طور پر شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز کرتا ہوں، حضرات! میں یونیورسٹی کی اصطلاح میں امتحان کا لفظ بولتا ہوں، میں نے بہت سے امتحانات دیئے ہیں، لیکن آج بہت بڑا امتحان ہے، مجھے اس امتحان کا بالکل اندازہ نہ تھا کہ میرا اس طرح خیر مقدم کیا جائے گا۔ میری حقیر ذات کو اس قدر نمایاں کیا جائے گا، میں درحقیقت ایک خلق کے احترام میں اور ایک نسبت گرامی کا لحاظ کرتے ہوئے یہاں حاضر ہوا تھا کہ نواب عبید الرحمن خان شیروانی مرحوم کے نام پر جو یادگار قائم کی جا رہی ہے، جس عمارت کا افتتاح ہے، اس کا شرف حاصل کروں، کیونکہ یہ ایک دینی، ملی اور خاندانی فریضہ میرے دوش ناتواں پر ہے، اور میرے لیے یہ بات باعث اعزاز ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے وہم وخیال میں بھی یہ بات نہیں تھی، کہ میرے استقبال یا میرے اعزاز میں یا اظہار تعلق کے لیے ایسی مؤقر مجلسیں ہوں گی اور ایسے ممتاز حضرات جمع ہوں گے، میرے وہم وگمان میں کہیں یہ بات نہیں تھی، اس میں ایک امتحان کی بات یہ بھی ہے کہ جن الفاظ میں نظم ونثر میں، اور جس خطیبانہ وادیبانہ انداز میں میری حقیر ذات کا ذکر کیا گیا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ میں صرف شکریہ پر اکتفا کروں، بلکہ میں آپ کی اور آپ کے مؤقر ادارہ کی اور اس کے کارناموں کی اور اس کی خدمات کی تعریف کروں، اس کا ذکر کروں، اور اس کے بعد کوئی اور قدم آگے بڑھاؤں، میں اس کو ایک بہت بڑی ناسپاسی اور حقیقت میں ایک بڑی ناشکری سمجھوں گا کہ میں صرف شکریہ پر اکتفا کروں، اور انسان کا قاعدہ ہے کہ جس سے اس کو محبت ہوتی ہے اور تعلق خاطر ہوتا ہے جس کی جتنی اہمیت ہوتی ہے، اور جس کے جتنے اثرات عمیق پڑ سکتے ہیں، اس کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے ساتھ پیش آتا ہے کہ جیسے کہتے ہیں "عشق است وہزار بدگمانی"۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ مخلصانہ طور پر صرف اس کی مدح وتوصیف پر اکتفا نہ کی جائے، بلکہ اس کے بارے میں جو امکانات ہیں اور لوگ اس کو جس نظر سے دیکھتے ہیں اس کا بھی اظہار کر دیا جائے، اس لیے میں اس کو شکر گذاری اور سپاس گذاری کا ایک فرض

اور ایک تقاضا سمجھتا ہوں کہ میں آپ کے سامنے اس نقطۂ نظر اور اس احساس کو دیکھتے ہوئے جو احساس اس وقت پوری علمی دنیا میں اور پھر اس وقت ہندوستان کی سرزمین میں اور پھر ہندوستان کی سرزمین میں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے بارے میں پایا جاتا ہے، اور جو توقعات لوگ رکھتے ہیں۔

میں نے آپ کے سامنے ایک حدیث پڑھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "یاد رکھو! سن لو! کہ انسان کے جسم میں ایک مضغۂ گوشت ہے، گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جائے، وہ اگر بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جائے، وہ کیا ہے؟ وہ قلب ہے" آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ انسان کا جسم طویل و عریض بھی ہوتا ہے، انسان جسیم ہوتا ہے، مختلف اعضاء کا مجموعہ ہوتا ہے، لیکن طبیب حاذق اس کی نبض پر ہاتھ رکھتا ہے، نبض سے وہ پہچان جاتا ہے کہ اس جسم انسانی کو کیا عوارض درپیش ہیں، اس کی اندرونی حالت کیا ہے، وہ ہاتھ تو نبض پر رکھتا ہے، لیکن پورے جسم کا جائزہ لے لیتا ہے، میں مسلم یونیورسٹی جیسی عظیم الشان، عالمگیر شہرت کی حامل، جس پر ملت ہندیہ کی بہترین ذہانتیں، بہترین علمی صلاحیتیں صرف ہوئی ہیں، جس کی آغوش میں ملت ہندیہ نے اپنے جگر پارے ڈال دیئے ہیں، میں تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں کہ ہندوستان کی ملت نے جگر کے ٹکڑوں کو، اپنے قابل فخر فرزندوں کو کسی اور ادارہ کے اس طرح سپرد نہیں کیا، میں کسی ادارہ کی تحقیر نہیں کر رہا ہوں، ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں، جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں نے اور یہاں کے شریف خاندانوں نے، اور یہاں کے ان خانوادوں نے ان انسانی مجموعوں نے جن کی ایک قابل فخر تاریخ رہی ہے، اور جنھوں نے مختلف صدیوں میں، اور تاریخ کے مختلف دوروں میں، افراد پیدا کئے ہیں، اور جنھوں نے ملک اور قوم پر بڑے گہرے اثرات ڈالے ہیں، اور بعض اوقات انقلاب پیدا کر دیا ہے، ان خاندانوں نے بہترین جگر پاروں کو اور دل کے ٹکڑوں کو اور اپنی خاندانی خصوصیات کو جو بعض اوقات صدیوں پرانی تھیں، ہزاروں سال پرانی تھیں، اور بعض بعض تیرہ سو پرانی تھیں، اپنے جگر پاروں کو اگر کسی کی آغوش میں ڈالا ہے، اعتماد کے ساتھ، اور امیدوں کے ساتھ، توقعات کے ساتھ، وسیع امکانات کے ساتھ، اور بہت گہرے اندازوں کے ساتھ، تو وہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ہے، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا معاملہ محض ایک یونیورسٹی کا معاملہ نہیں ہے، یہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے نونہالوں کی امین، ایک ذمہ دار اور ایک بہت بڑے خواب کی تعبیر کے پورا کرنے والے ادارہ کی حیثیت ہے، اگر یہاں ان کی توقعات پوری ہوئیں اور ان فرزندوں، ان خاندانوں کے جگر پاروں کو، ان ذہین خاندانوں کے، ان علمی خاندانوں کے، ان عالی نسب خاندانوں کے جگر پاروں کی اچھی تربیت کی، ان کو پڑھا لکھا کر ہی نہیں، بلکہ بنا کر ان کو بہترین اخلاقی تربیت دے کر، جس کو میں نے اپنی صبح کی تقریر میں بار بار کردار کے لفظ سے ادا کیا ہے، ایک نمایاں اور امتیازی کیریکٹر، اخلاقی استقامت، اخلاقی حوصلہ مندی اور بلندی اور اعتماد نفس، اپنے علم پر اعتماد، اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کے حامل کی حیثیت سے یونیورسٹی نے نکالا، تو یونیورسٹی نے اس کا ایک شریفانہ جواب دیا، اور ان خاندانوں ہی کو نہیں، بلکہ ملت پر احسان کیا، اس یونیورسٹی کا معاملہ کسی اصطلاحی درسگاہ کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تاریخی امانت خانہ ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ ایک تاریخی اور ملی خزانہ ہے، جس کو اپنے ان جواہرات کی پوری حفاظت کرنی چاہیے، ان جواہرات کو آخری حد تک چمکا کر اور تاباں بنا کر ملت کو واپس کرنا چاہیے، یہاں سے صرف گریجویٹس کا نکلنا، صرف اسکالرس کا نکلنا، صرف ان لوگوں کا نکلنا جو ملازمتوں کے لیے فٹ پائے جائیں، موزوں پائے جائیں، اور جو صرف ملک کے انتظامیہ کو بہترین صلاحیتیں فراہم کریں، اپنے خاندانوں کی اچھی طرح پرورش کریں، یہ ہر گز کافی نہیں، میں ایک علمی تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے بھی، اور ایک علمی درسگاہ اور ایک علمی مکتب فکر کے نمائندہ کی حیثیت بھی، اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے کی حیثیت سے بھی کہتا ہوں کہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے، اور جو حدیث میں نے آپ کے سامنے پڑھی، کہ جسم انسانی میں ایک ایسا گوشت کا ٹکڑا ہے جو اگر درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جائے، اور وہ اگر بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جائے، اس لیے یہاں کی جو سب سے بڑی ضرورت ہے، وہ یہ کہ آپ یہاں سے نئی نسل کے وہ افراد ملک کے سامنے پیش کریں، جو ایمانی حقائق پر یقین رکھنے والے ہوں۔ اسلامی تعلیمات کے پورے طور پر حامل، اور اس کے نمائندہ ہوں، اخلاقی اصولوں کے پابند ہوں، ایک کردار رکھتے ہوں، وہ بلند نگاہی، اور خودداری کے حامل ہوں، ابھی ہمارے بزرگ قاری شبیر صاحب نے ایک واقعہ سنایا۔ محبوب الٰہی کا، سردیوں کا زمانہ تھا، درس دے رہے تھے، پاؤں پھیلائے ہوئے تھے، ان سے کہا گیا کہ بادشاہ آرہے ہیں، پاؤں سمیٹ لیجئے، انھوں نے جواب دیا کہ جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں

پھیلاتا، اسی طرح کا واقعہ عرب ملک کا سناتا ہوں کہ حلب میں شیخ سعید حلبیؒ تھے، ابھی سو برس پہلے کا قصہ ہوگا، جو دمشق کی ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے، اتفاق سے اس دن ان کے پاؤں میں تکلیف تھی، اور وہ پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے، اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ استاذ پشت بہ قبلہ ہوتا ہے، اور اس کے شاگرد سامنے بیٹھے ہوتے ہیں، اور دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں تو ان کا چہرہ دروازے کی طرف تھا، اور پشت قبلہ کی طرف تھی، اور پاؤں دروازے کی طرف پھیلائے ہوئے تھے، اس وقت کا ایک مشہور بانی سلطنت مصر، خدیوی سلطنت جو ابھی فاروق پر ختم ہوئی ہے، ابھی پندرہ بیس برس پہلے تک وہ موجود تھی۔ محمد علی پاشا کا بیٹا تھا۔ ابراہیم پاشا اس زمانہ میں بڑا سفاک اور جلاد مشہور تھا، وہ شام کا گورنر تھا۔ اور اس کی سفاکی کے قصے لوگوں کی زبانوں پر تھے، اس کو خیال ہوا کہ حضرت کا درس جا کر سنوں اور ملاقات کروں، راستہ ایک ہی تھا، اس لیے وہ دروازے کی طرف سے آیا۔ سب کو خیال تھا کہ حضرت کو بہرا تکلیف ہوا اس موقع پر اپنا پاؤں سمیٹ لیں گے، اتنی دیر میں کیا ہو جائے گا۔ لیکن انھوں نے بالکل کوئی جنبش نہیں کی، نہ درس موقوف کیا، نہ پاؤں سمیٹا، اسی طرح پاؤں پھیلائے رہے۔ اور وہ پاؤں کی طرف آکر کھڑا ہو گیا۔ اب ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ ہم بالکل لرزاں و ترساں تھے کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے، کیا ہمارے شیخ کی شہادت ہماری آنکھوں کے سامنے ہوگی، یا تذلیل ہوگی۔ مشکیں باندھ لی جائیں گی اور کہا جائے گا چلو، وہ کھڑا رہا اور شیخ دیر تک درس دیتے رہے، التفات بھی نہیں کیا، اور پاؤں بھی نہیں سمیٹا، ملہم خدا جانے ان بزرگوں کا کیا اثر ہوتا ہے، کہ اس نے کچھ نہیں کہا، کوئی سرزنش نہیں کی، کوئی شکایت نہیں کی اور چلا گیا۔ سننے والی جو بات ہے وہ یہ کہ وہ کچھ ایسا معتقد ہوا کہ اس نے جا کر اشرفیوں کا ایک توڑا غلام کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ شیخ کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائیں، آپ جانتے ہیں، انھوں نے جواب میں کیا کہا؟ یہ آب زر سے لکھنے والا جملہ تھا جو علم کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ انھوں نے کہا، اپنے بادشاہ کو سلام کہنا، اور کہنا جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا، یا پاؤں ہی پھیلائے، یا ہاتھ ہی پھیلائے ایک ہی کام ہو سکتا ہے دنیا میں، جب میں نے پاؤں پھیلائے تھے اس وقت یہ طے کر لیا تھا کہ اب میں ہاتھ نہیں پھیلا سکتا، "ان الذی یملا رجلہ لا یملا یدہ" ان ہی الفاظ کے ساتھ مؤرخ نے ان کو نقل کیا ہے: ؏

سلّم علیٰ مولاك وقل له
ان الذی یملا رجلہ لا یملا یدہ

بہر حال ہمیں اپنے طلباء کو اس طرح بنانا چاہیے کہ وہ ملک میں اپنے جوہر ذاتی اور اپنی قابلیت اور اپنی زبان دانی، اپنی صلاحیت انتظامی اور اپنی ذہانت، اور اپنی کارکردگی سے پہچانے جائیں، حضرات! میں ان لوگوں میں نہیں ہوں کہ ان کی اہمیت کا انکار کروں، واقعات بد میری نظر سے میں جانتا ہوں کہ یہ سب چیزیں کتنی اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا بھی نمونہ بنیں کہ ہم ضمیر فروش نہیں ہیں، ہم کسی حالت میں ضمیر بیچ نہیں سکتے، اس موقع پر بے اختیار علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آگئے وہ کہتے ہیں: ؏

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
من کی دنیا میں نہ دیکھا میں نے فرنگی کا راز
من کی دنیا میں نہ پائے میں نے شیخ و برہمن

یہ شعر جو حقیقت میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

یہ تعلیم، یہ مسلم یونیورسٹی، میں اپنے بہت قدیم تعلقات کی بنا پر آپ کو معلوم ہے کہ سید احمد خاں رحمۃ اللہ کے خاندان کو سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے تعلق تھا۔ علاوہ سیادت کے رشتہ کے میری معلومات یہ ہیں کہ ان کی والدہ حضرت تھیں، سید احمد شہیدؒ سے، یہ سید احمد نام ان ہی نے رکھا۔ اپنے پیر کے نام پر، ان کے والد شاہ غلام علی صاحب کے مرید تھے اور ان کی والدہ حضرت سید احمد شہید کے مرید تھیں، یہ میرے دل میں بچپن سے نقش ہو گیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان کی نظر اور ان کی توقعات ان کے انداز سے اور ان کی اپنی محنتوں کا جو ثمر وہ سمجھتے تھے۔ وہ اس میں ہر گز محدود نہ تھا کہ وہ لوگ نکالے جائیں جو آسامیوں کے قابل ثابت ہوں اور ان کو عہدے دیئے جائیں اور وہ اپنے محدود خاندانوں کی پرورش کریں، اور اچھی طرح کھائیں پئیں، اور زندگی گذاریں، وہ ایک ایسی نسل پیدا کرنا چاہتے تھے جو قیادت کرے، اور یہی وجہ تھی کہ آپ کی یونیورسٹی نے ملت اسلامیہ ہندیہ کو بلکہ برصغیر ہند کو وہ افراد دیئے جن کی مثال نہیں ملتی، مولانا محمد علی جوہر اور ان کی

قربانیاں، مولانا فقر علی خاں کی ذکاوت اور ان کی شاعری، اس کے بعد پھر وہ لوگ جنھوں نے بعض سیاسی، انقلابی کام کیے ہیں، تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ اس سے بدگمانیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، ان لوگوں نے اس وقت وہ کام کیے جو اس وقت ناممکن سمجھے جاتے تھے اس کے علاوہ مفکرین، مصنفین، اہل قلم اور انگریزی پر قدرت رکھنے والے، اور دانش گاہوں کے چلانے والے سب نکلے، آپ سے یہ عرض کروں گا۔ آپ ایک ایسے طبقے کو پیدا کریں، ہمارے اساتذہ کرام اور یونیورسٹی کے اساتذہ اور دانشور یہاں سب موجود ہیں جو اس کا خاکہ بناتے ہیں، جو اس کے لیے نئے راستے پیدا کرتے ہیں، وہ موجود ہیں۔ ان کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ایسے طبقے کو پیدا کریں جس کی طرف نگاہیں اٹھیں۔ یہ بات میں نے انگلستان میں بھی کہی ہے کہ اس طرح آپ کا رہنا کافی نہیں ہوگا، بلکہ آپ کو یہاں اس طرح رہنا چاہیے کہ انگلیاں اٹھیں کہ کون جا رہا ہے، یہ ہم سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ اس کی نگاہیں پاک ہیں، اور اس کے خیالات پاک ہیں، انسانیت کا ہمدرد ہے، اور یہ ملک کے لیے باعث زینت ہے، میں اس موقع پر سید احمد شہیدؒ کے ذکر کی روایت کے ساتھ ذکر کرتا ہوں۔ "جب انھوں نے پشاور فتح کیا تو وہاں کئی دن ٹھہرنا پڑا، ایک دن پشاور کے ایک پٹھان نے ہندوستانی مجاہدین میں سے کسی کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ او ہندوستانی بھائی! آپ سے ایک بات پوچھتے ہیں صحیح صحیح بتائیے گا کہ کیا ہندوستان کے لوگوں کی دور کی نگاہ کمزور ہوتی ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! کمزور نہیں ہوتی ہے، کہا نہیں ضرور کمزور ہوتی ہے، انھوں نے کہا نہیں خدا کا شکر ہے، کسی کی کمزور ہو تو ہو لیکن عام طور سے کمزور تو نہیں ہوتی اور نہ کوئی خصوصیت ہے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ آپ یہ پوچھ کیوں رہے ہیں، اس پٹھان نے ہندوستانی مسلمان سے کہا، ہم آپ لوگوں کو جانتے ہیں کہ آپ میں سے کوئی دو برس کا نکلا ہوا ہے، کوئی چھ ماہ سے، اپنے گھر والوں، بیوی بچوں کو چھوڑ کر آیا ہے، اور آپ جوان بھی ہیں، اور ایسے مضبوط جوان کہ جہاد کے لیے نکلے ہیں، ہم نے آپ میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو یہاں کسی عورت کو تاک رہا ہو، کسی نامحرم کو دیکھ رہا ہو، اور دوسری فطری بات تھی کہ اگر اس طرح لذت نہیں حاصل کر سکتے تو اس طرح لذت حاصل کر لیں۔ لیکن یہ بھی نہیں، تو ہم نے فیصلہ کیا کہ آپ لوگوں کو شاید دور کی چیز نظر ہی نہیں آتی، تو جواب میں کہا نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم"۔

ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی اور پاک رکھیں۔ اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں"۔

اور ہمارے امام اور مرشد کی صحبت کا فیض ہے۔

میں آپ سے یہ عرض کروں گا، معلوم نہیں اس کے بعد موقع ملے نہ ملے، زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، اور زندگی بھی رہے تو ایسے موقر اجتماعات ایسے چیدہ اور برگزیدہ اشخاص کا ایک جگہ جمع ہونے کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا، آپ ایسے طلبہ کو نکالیں جو اخلاقی اور ذہنی طور پر، علمی طور پر، ہر طرح سے ممتاز ہوں، یہ سمجھا جائے کہ علی گڈھ کا گریجویٹ اور علی گڈھ کا تعلیم یافتہ رشوت نہیں لیتا، وہ ناانصافی نہیں کرتا، وہ کسی خاندان کے درمیان، کسی قوم اور قوم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتتا، جب وہ انصاف کرتا ہے تو بے لاگ طریقہ پر انصاف کرتا ہے، اسی طریقہ سے ذہنی طور پر بھی آپ اپنا سکہ جما دیں، کوئی قوم خاص کر اس عہد ترقی میں، اور عہد علم و فن میں، عہد صحافت، عہد ادبیات میں، عہد تحقیقات میں کوئی قوم، کوئی ملت عزت نہیں حاصل کر سکتی جب تک کہ وہ اپنا ذہنی سکہ نہ جما دے، اپنی ذہانت کا، علمی تفوق، علمی امتیاز کا، اپنی محنت و کاوش کا، قوت مطالعہ کا، اپنی وسیع النظری کا، جب تک کہ وہ اپنا سکہ نہ بیٹھا دے اس وقت تک اس کا احترام نہیں ہوتا، یہاں سے ایسے لوگ نکلیں جو ایک طرف تو انگریزی پر پوری قدرت رکھیں، اور ان کے اندر علمی و تحقیقی صلاحیت ہی نہیں بلکہ ان کے اندر اس کام کا جذبہ و جوش ہو، اخلاقی و دینی طور پر وہ ایک امتیاز رکھتے ہوں، فرائض کے پابند ہوں، میں صفائی سے کہتا ہوں، وہ صحیح العقیدہ مسلمان ہوں، فرائض کے پابند ہوں، لوگ کہیں کہ علی گڈھ کا ایک جج بیٹھا ہوا ہے، جب نماز کا وقت آئے گا تو وہ نماز پڑھے گا، اطمینان رکھو وہ نماز کے لیے ضرور اٹھیں گے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ کتنی بھی مصروفیت ہو جب نماز کا وقت آیا تو نماز کے لیے اٹھے، یہ بات لوگوں میں معروف و مسلم ہو، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ غلط فیصلہ نہیں کریں گے، رشوت کا نام بھی ان کے سامنے نہ لینا ورنہ پھر تمہارا وہاں ٹھہرنا مشکل ہو جائے گا، یہ بات علی گڈھ کے گریجویٹس علی گڈھ کے فضلاء کے لیے تمغۂ امتیاز ہو، ایک مثال ہو، جیسے آگے آگے ایک جلوس چلتا ہے، اسی طرح سے نیک نامی کا، بلند نگاہی کا، پاک دامنی کا، اور عالی نظری کا، گویا ایک جلوس آگے آگے چلے، وہ جلوس انسانی شکل میں نہیں ہوگا، لیکن وہ ان روایات کی شکل میں ہوگا، وہ ان تجربات

کی شکل میں ہوگا، جو اس کے بارے میں کیے جا چکے ہیں، ہمارے ان حضرات نے جن کے ہاتھ میں زمام کار ہے وہ ہمارے لیے ہر طرح سے قابل احترام ہیں اور ان سے ہر طرح کی توقع قائم کی جا سکتی ہے، انھوں نے، اور قابل احترام اساتذہ نے، تربیت کرنے والوں نے اور ہاسٹلوں کی نگرانی کرنے والوں نے اور علمی مشورہ دینے والوں نے کام کرانے والوں نے اگر یہ فریضہ انجام دیا، یہ خدمت انجام دی، تو پھر علی گڈھ کا نام بلند ہوگا صرف یہیں نہیں بلکہ پورے ایشیا اور پوری دنیا میں اس کا سکہ، اور میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں سرسید علیہ الرحمہ کی نظر صرف اسی پر نہیں تھی کہ مسلمانوں کو آسامیاں نہیں مل رہی ہیں اس لیے انگریزی پڑھانی چاہیے، تاکہ ان کو نوکریاں ملیں اور اپنے گھر والوں کی پرورش کر سکیں اگر آپ "آثار الصنادید" پڑھیں تو جس طرح انھوں نے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے، جس عقیدت مندی کے ساتھ کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ قلم و روشنائی سے نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ دل سے بات نکل رہی ہے، آپ اس سے ان کے جذبات کو، ان کے مسلک کو، طرز فکر کو معلوم کر سکتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ان کے ساتھ یہ ایک بہت بڑی ناسپاسی ہوگی، ناقدری ہوگی، کہ ہم یونیورسٹی سے ان لوگوں کو نکالنا اپنا فرض سمجھیں جو ملازمت کر سکیں، اور ملازمت کی اہلیت رکھ سکیں۔ اور اچھی اچھی آسامیاں پا سکیں، اپنے محدود خاندانوں کی پرورش کر سکیں، اس سے فائدین کو نکلنا چاہیے کہ قیادت کریں، اور جو اس وقت قوم پر سٹریا کا دورہ پڑا ہوا ہے، یہ فرقہ وارانہ فسادات کا، مادہ پرستی کا، رشوت خوری کا، بے حسی کا، اور فرقہ وارانہ منافرت کا، اس دورہ کو دور کر سکیں، اس کا علاج کر سکیں اور اس کے سامنے وہ سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو جائیں ملک کا رخ پھیرنے کی کوشش کریں، تخریب کے بجائے تعمیر کی طرف، فساد کے بجائے صلح و صفائی کی طرف، بدگمانی کے بجائے نیک گمانی کی طرف، بجائے ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہنے کے ایک دوسرے سے مل کر، تعاون کر کے، اس ملک کا نام روشن کرنے کے لیے اس ملک میں آئندہ نسلوں کو اطمینان کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنے کے قابل بنانے کے لیے، اپنی ذہانتیں اور اپنی توانائیاں صرف کریں، اسی کے ساتھ میں آپ کی اس مہمان نوازی اور آپ کی اس ہمت افزائی کا بھی حق سمجھتا تھا اور اس کا فرض سمجھتا تھا کہ آپ کے سامنے اپنے ضمیر کے مطابق ہی نہیں بلکہ اس عظیم الشان درسگاہ کے بانی کی توقعات ان کی امیدوں، ان کے خیالات کی ترجمانی کا کسی درجہ میں فرض ادا کروں، کس طرح میں شکریہ ادا کر سکوں گا، اس سپاس نامہ کا، اور اس نظم و نثر کا، جو میری حقیر ذات کے بارے میں کہی گئیں اور پڑھی گئیں، اس کا شکریہ ہے کہ میں آپ کو بتا دوں کہ یہاں سے ملت کے وہ جواہر پارے، ملت کے وہ لعل و گوہر نکلیں جو صرف اپنے محلوں کو، اپنے قصبات ہی کو نہیں بلکہ ہندوستان کو چمکا دیں، جس کی روشنی باہر تک پہونچے، میں امید کرتا ہوں کہ میری اس حقیر گذارش کو اپنے بلند ذہن میں علی اور تعمیری ذہن میں جگہ دیں گے، اور اب یونیورسٹی کا رخ اس طرف ہوگا کہ اس ملک کو موجودہ امتحانات و مشکلات سے نکالنے کے لیے وہ افراد پیدا کرے جو اس ملک کو صحیح راستے پر لگائیں، اور یہی وہ کردار ہے اور یہی وہ میدان ہے جس کو مولانا محمد علی جوہرؒ نے، تحریک خلافت کے علم برداروں نے، یہاں سے نکلنے والے فاضل اور گریجویٹس اور اسکالرس نے انجام دیا، مجھے معاف کیا جائے کچھ عرصہ سے اس میں تھوڑا سا تعطل پیدا ہو گیا ہے، اس تعطل کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، یہی یونیورسٹی کے موجودہ ذمہ داروں کی سب سے بڑی کامیابی اور کارنامہ ہوگا کہ یونیورسٹی کا رخ اب پھر اس طرف پھیریں جس رخ پر سرسید علیہ الرحمہ اس کو چلانا چاہتے تھے، جس ماحول میں سے وہ افراد نکلے جنھوں نے دنیا میں ہندوستان کا نام پیدا کیا، اور وہ تحریکیں چلائیں جنھوں نے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا، سیاسی، ذہنی، شعوری نقشہ بدل دیا، ان ہی الفاظ کے ساتھ پھر میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں بالکل توقع نہیں تھی کہ مجھے اس امتحان سے بھی گذرنا پڑے گا، یونیورسٹی کی رعایت سے کہتا ہوں کہ یہ میرے لیے ایک امتحان ہے، یہ خیال کیا کہ خواہ میں آپ کے یہاں زیادہ نمبر پانے کا مستحق نہ ہوں لیکن خدا و رسول کے یہاں مجھ سے یہ سوال نہ ہو کہ خدا نے تم کو ایک زریں موقع دیا تھا۔ تم نے وہاں کوتاہی کی، وہاں حق بات نہیں کہی، ساتھ ہی ساتھ آپ سے معافی بھی چاہتا ہوں، اور آپ کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں۔

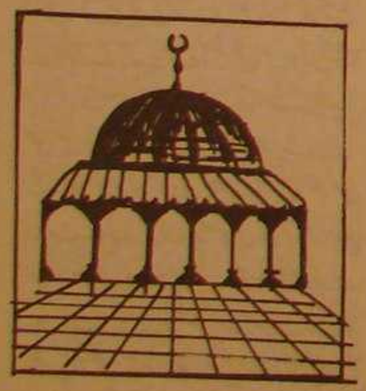

ایک عیسائی خاتون کا قبول اسلام

ترجمہ: عبد العلیم متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بلند کردار اور مضبوط قوت ارادی یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جو ناممکنات کو بھی ممکن کر دکھاتی ہیں، اور شاید داغستانی اسپتال کی کرسٹین ہمونڈی نامی نرس کے قبول اسلام کے واقعہ کے پس پردہ یہی دونوں عوامل کارفرما تھے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی ہم پیشہ مسلم نرسوں کے فیض صحبت سے اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا، چنانچہ اس نے اسلام کے بنیادی اصول و قواعد پورے اخلاص و للّٰہیت اور شرافت و امانتداری کے ساتھ سیکھے۔

اسلام قبول کرنے اور اپنا نام بدل کر "شیرین" رکھنے کا فیصلہ اس نے پورے شرح صدر پختہ ارادہ اور مکمل اعتماد کے ساتھ کیا تھا اس سلسلے میں اپنے قبول اسلام کا واقعہ تفصیل سے سناتی ہوئی فرماتی ہیں:

"میرے دل میں نور ہدایت جلوہ گر ہونے کا واقعہ بھی عجیب غریب ہے، ابھی جلد ہی میں ڈاکٹر داغستانی کے اسپتال میں نرس کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے جدہ آئی تھی اس وقت کرسٹین میرا نام اور مسیحیت میرا مذہب تھا، اللہ تعالیٰ میرے حق میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میں اپنی ہم پیشہ نرسوں کے ساتھ مل کر کام کروں جنھیں اللہ نے اسلام کی دولت سے نواز کر ان پر خصوصی انعام و اکرام فرمایا تھا ان نرسوں میں اپنے دین پر پوری طرح کاربند اور معاملات میں امین و مخلص اور شرافت و نیکی کا پیکر پاتی تھی، جسے دیکھ کر میرے اندر بھی سچے جذبات موجزن ہوئے جنھوں نے مجھے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا، اس فیصلہ کو عملی شکل دینے سے قبل کہتی ہیں کہ "میرے ذہن و دماغ میں اسلام سے متعلق بہت سے سوالات ابھرتے تھے اور میں چاہتی تھی کہ انھیں کسی کے سامنے پیش کروں۔ اسپتال کے میرے ایک رفیق کار نے میری اس دلی کیفیت اور ذہنی الجھن کو بھانپ لیا اور اس نے اپنے اس فیصلہ پر قائم اور جمے رہنے کے لیے میری خوب حوصلہ افزائی فرمائی اور ہمت بڑھائی۔ اللہ کی مشیت اور ارادہ دیکھئے کہ انھیں کے ساتھ میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئی لیکن یہ شادی میرے والدین کی رضامندی اور فلپائن حکومت کے سرکاری دستاویزات کی خانہ پری کے بغیر نہیں ہوئی تھی، اب میں ایک عرب مسلم کے گھر میں رہتی ہوں جن کو میں پابندی سے نماز پڑھتے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور عمرہ و زیارت کرتے دیکھتی ہوں۔

ثقافتی مرکز سے روابط

چونکہ میرا کامل ایمان ہے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود اسلام کے ابدی اور روحانی نظام میں مضمر ہے اس لیے میں نے جدہ میں واقع اسلامی ثقافتی مرکز سے بھی تعلق قائم کیے تاکہ اسلام کے چشمۂ ہدایت سے خوب خوب فیضیاب ہو سکوں، وہاں میں نے خدا کے فضل سے قرآن کریم کا ایک انگلش ترجمہ اور بہت سی دوسری اسلامی کتابوں کا مطالعہ کیا۔

کچھ دنوں بعد مرکز سے میرے تعلقات منقطع ہو گئے پھر بھی خالق کائنات کی کبریائی اور اسلام کی عظمت و تقدس کے بارے میں گہرائی سے غور و فکر کرتی رہی، اور اسی عظیم مقصد کو لے کر جس نے میرے ویران دل کو آباد کر دیا تھا میں نے چاہا کہ اسے فی الفور ایک ایسی شفاف اور روشن حقیقت کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کروں جو میرے مستقبل کو نور ہدایت سے معمور کر دے۔

میری زندگی میں اس وقت عظیم انقلاب آیا جب میرے اور میرے شوہر کے قدم جدہ کی شرعی عدالت کی جانب بڑھے اور میں نے خوشی کے آنسوؤں اور کامیابی کی مسکراہٹوں کے جلو میں کلمۂ شہادت پڑھا، میں نے اس مقدس کلمہ کو کپکپاتے ہونٹوں سے بمشکل ادا کیا، حالانکہ یہ کلمہ میرے دل میں پوری صداقت اور خلوص کے ساتھ جم گیا تھا اور جسے میرے دل نے زبان سے ادا کرنے سے قبل ہی بارہا پڑھ لیا تھا، اس دوران مجھے احساس ہوا کہ اسلام کو اپنا کر مجھے اپنی متاع گم گشتہ مل گئی ہے جس نے میرے اندرون کو ایمان و تقویٰ کی روشنی سے بھر دیا ہے اور صلاح و تقویٰ کی جانب مائل ہونے والے میرے انسانی دل کے تمام تقاضوں کو پورا کر دیا ہے، اب اسے کسی اور چیز کی تمنا نہیں رہی اس کی سب مرادیں پوری ہو چکی ہیں، اس مبارک مہینہ میں جس کا روزہ رکھنے کی مجھے پہلی بار سعادت حاصل ہوئی تھی خدا سے یہی دعا رہی کہ وہ مجھے اپنے شوہر اور بچے حسام کی رفاقت میں مکہ مکرمہ کی باریابی اور حرم شریف میں نماز ادا کرنے اور عمرہ کرنے کی سعادت نصیب فرمائے، میری زندگی میں دو مواقع بڑے رقت آمیز اور ایمان افروز آئے ہیں جن کی نورانیت سے میری دنیا بدل گئی اور میرا دل ارمانوں اور خواہشوں کا گہوارہ بن گیا، ایک موقع تو وہ ہے جب میں نے دین اسلام قبول کیا اور دوسرا وہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلا بچہ عطا فرمایا۔

باقی ص ۱۷ پر

شیاطین اور سحر

ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی

جادو اور جنوں کے اثرات وغیرہ کے قصے اکثر پیش آتے رہتے ہیں جو کم علم عوام کے عقائد تک متاثر کر دیتے ہیں اس لیے اس کی حقیقت کو ذیل کے مضمون میں واضح کر دیا گیا ہے تاکہ عوام غلط عقیدہ کا شکار ہونے سے محفوظ رہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

"واتبعوا ما تتلوا الشیاطین ..... الی لو کانوا یعلمون۔" (سورہ بقرہ آیت ۱۰۲)۔

اور انھوں نے (یعنی یہود نے) اس چیز کا (یعنی سحر کا) اتباع کیا جس کا چرچا شیاطین، حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں کیا کرتے تھے، (سحر کرنا کفر ہے) اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا (ان کی طرف جادو کی نسبت افترا ہے) لیکن شیطانوں نے کفر کیا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، (اور انھ یہودیوں نے) اس سحر کا بھی اتباع کیا جو بابل میں ہاروت و ماروت (نام کے) دو فرشتوں پر (لوگوں کی آزمائش کے لیے) نازل کیا گیا تھا، اور وہ دونوں فرشتے جب تک یہ نہ کہدیتے کہ ہم دونوں فتنہ ہیں (یعنی جانچ اور امتحان کے لیے بھیجے گئے ہیں، تم جادو پر عمل کرنے کے ارادہ سے سیکھ کر) کفر نہ کرو، کسی کو (جادو) نہ سکھاتے (یعنی اس کا تعارف نہ کراتے) پس وہ لوگ (یعنی بعض یہود) ان سے (یعنی ہاروت و ماروت سے) وہ جادو سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں، اور (جادو کا نام سن کر ہم کو ڈرنہیں جانا چاہیے) یہ جادوگر (ساحر) اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ ایسی چیزیں سیکھتے ہیں جو ان کے لیے نقصان دہ ہیں اور فائدہ مند نہیں ہیں، اور بے شک یہ (یہودی) لوگ جانتے ہیں کہ جس نے اس کو خریدا۔ (یعنی سحر کا کام کیا) آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ بے شک ان لوگوں نے (کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر اور) اپنی جانوں کو قربان کر کے جو جادو کا سودا کیا ہے وہ بہت ہی برا ہے کاش کہ اس بات کو وہ سمجھتے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سحر (جادو) انسانوں میں دو راہوں سے پہنچا۔

۱۔ شیاطین کے ذریعہ۔

۲۔ ہاروت و ماروت دو فرشتوں کے ذریعہ، انسانوں نے جادو کا حکم بھی جانا اور اس کی پہچان بھی مگر شیطان نے اپنے متبعین سے اس کا غلط استعمال کروایا (تفصیل آگے آرہی ہے)۔

شیاطین میں جادو پہلے سے چلا آرہا تھا، مگر انھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی اور پر عجائب سلطنت کی طرف جادو کو منسوب کرنے کا موقع تلاش لیا تاکہ ان کا جادو انسانوں میں زیادہ رواج پا سکے۔

اس سلسلے میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

● کہتے ہیں ایک بار جب سلیمان علیہ السلام ملک سے باہر نکلے تو شیاطین نے جادو لکھ کر ان کی نماز پڑھنے کی جگہ پر دفن کر دیا اور ان کے انتقال کے بعد اسے نکالا اور لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ دیکھو سلیمان علیہ السلام جادو کی طاقت سے یہ زبردست حکومت چلا رہے تھے۔ (قول ابن عباس)

● کہتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر آصف حضرت سلیمان علیہ السلام کے احکام لکھ لیتا اور ان کی کرسی کے نیچے دفن کر دیتا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد (اور ظاہر ہے آصف کا بھی انتقال ہو چکا ہوگا) شیاطین نے یہ دفینہ نکالا اور اس میں سطروں کے درمیان جادو کا اضافہ کیا اور پوری تحریر کو سلیمان علیہ السلام سے منسوب کیا (اسے سعید بن جبیر نے ابن عباس سے نقل کیا)۔

● اور عکرمہ نے کہا کہ: شیاطین نے جادو لکھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔

● اور قتادہ سے نقل ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں جب شیاطین نے جادو پھیلانا شروع کر دیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے سب لکھا ہوا جادو جمع کر کے اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا لیکن ان کے انتقال کے بعد شیطانوں نے اسے نکال کر سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔

(یہ ساری باتیں زاد المسیر فی علم التفسیر جلد اول ص ۱۲۱ پر درج ہیں)۔

ان میں سے کوئی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب نہیں ہے، بہر حال جو بھی صحیح ہو مگر یہ مسلم ہے کہ جادو کی ترکیب و تدبیر پہلے سے شیاطین میں موجود تھی۔

حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ کوئی اپنی شکل جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے بدل نہیں سکتا مگر غیلان یعنی شیاطین جن جادوگر ہیں وہ جادو کی مدد سے اپنی صورتیں بدلتے ہیں (یہ مفہوم ہے) ابن حجر نے فتح الباری جلد ۶ ص ۴۴۳ پر یہ قول نقل کیا ہے۔

ظاہر ہے مسلمان جن بھی اپنی شکلیں بدلتے رہے ہیں جیسا کہ مسلم نے سانپ جن کا ذکر کیا ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ وہ ایمان والے صحابی جن تھے بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ جنوں کو بعض اعمال و وظائف معلوم ہیں جن کو پڑھ کر یا عمل کر کے اپنی شکلیں بدل لیتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

اوپر کی آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیاطین عموماً انسانوں کی شکل میں انسانوں میں گھلے ملے رہتے تھے اس لیے کہ اس کے بغیر وہ انسانوں کو دھوکہ دے کر سحر کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب نہ کر پاتے اور مذکورہ آثار سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اب رہی بات ہاروت و ماروت دو فرشتوں کے ذریعہ جادو کی تعلیم کی تو اس سلسلہ میں مفسرین میں بڑا اختلاف ہے اور انھوں نے زہرہ کا عجیب و غریب قصہ نقل کیا ہے لیکن اس قصہ کی بات صحیح سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اصول دین کو سامنے رکھتے ہوئے آیت کا جو مطلب سمجھ میں آئے وہی لینا چاہیے۔

اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جادو کا بڑا رواج تھا اور یہ فساد عام تھا، اللہ کی مصلحت سے اس سحری فتنہ کے دور میں لوگوں کی جانچ کے لیے دو فرشتے "ہاروت و ماروت" بابل میں اتارے گئے، ان فرشتوں کے پاس جو آتا اس سے صاف بتا دیتے کہ دیکھو ہم تم لوگوں کے امتحان کے لیے بھیجے گئے ہیں، ہم بتاتے ہیں کہ جادو سیکھنا اور کرنا کفر ہے، ہم کو جادو کی ایک ایک جزئیات معلوم ہیں لیکن اس میں فتنہ کی بات یہ ہے کہ تم ان جزئیات کو جان کر ان سے بچنے کے بجائے ان پر عمل کرنے لگو گے اس لیے سرے سے سیکھو ہی نہیں اور سمجھو کہ کفر ہے۔ لیکن بعض لوگ آتے اور تعارف کے بہانے سیکھتے اور پھر اس میں مبتلا ہو جاتے اور اس کو عمل میں لا کر کفر کر بیٹھتے۔ رہا فرشتوں کا سکھانا تو اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی عرب کو آپ اردو زبان پڑھائیں اور جب اس کو زبان آنے لگے تو بتائیں کہ بعض کلمات کفریہ ہیں ان کے کہنے سے کفر ہوگا، اور بعض کلمات گندی گالی ہیں، کسی کو کہو گے تو گناہ ہوگا اور لڑائی بھی ہو جائے گی، وہ کہے کہ وہ کلمات ہم کو سکھا دیجئے، آپ اسے سکھا دیں، لیکن ان سب کو وہ استعمال کرنے لگے تو آپ کی کیا غلطی ہے، پھر فرشتے تو مامور من اللہ ہوتے ہیں ان کو تو فرعون اور نمرود کی پرورش اور حفاظت کا حکم ہوگا تو وہ فرعون اور نمرود کی پرورش اور حفاظت کریں گے، اگر ان کو یہی حکم ہوا ہو کہ سحر کا حکم بتا دو پھر بھی اپنی شرارت سے جو اسے سیکھنا چاہے اسے سکھا دو تاکہ ہم اس کو اس کی شرارت کا مزہ چکھا دیں، اس بات کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن ج ۱ ص ۹۸ نوٹ نمبر ۱۰۵ کے آخر میں یوں سمجھایا ہے۔

رہا فرشتوں کا ایک ایسی چیز سکھانا جو بجائے خود بری تھی، تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے پولیس کے بے وردی سپاہی کسی رشوت خوار حاکم کو نشان زدہ سکے اور نوٹ لے جا کر رشوت کے طور پر دیتے ہیں تاکہ اسے عین حالت ارتکاب جرم میں پکڑیں اور اس کے لیے بے گناہی کے عذر کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔

میں کہتا ہوں کہ بے وردی سپاہی تو اپنے کو چھپاتا ہے اور نوٹ پر چپکے سے نشان لگاتا ہے مگر یہ سپاہی تو صاف اعلان کرتے ہیں "نحن فتنة فلا تكفر" ہم امتحان (کے لیے) ہیں پس (جادو سیکھ کر) کفر مت کر۔ اس سلسلہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن جلد اول صفحہ ۵۵ پر اسی آیت کے تحت بہت نفیس مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جاہل علم کے لیے بہترین تحفہ ہے۔

حضرت تھانویؒ نے اس آیت کی تفسیر کے بعد فوائد میں تحریر فرمایا ہے:

"ان آیتوں سے متعلق ایک لمبا چوڑا زہرہ کا قصہ مشہور ہے جو کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں جن علماء نے اس کو قواعد شرعیہ کے خلاف سمجھا ہے رد کر دیا ہے، اور جنھوں نے کسی تاویل سے خلاف نہیں سمجھا رد نہیں کیا، احقر کو اس کے صحیح اور غلط ہونے سے اس وقت قصداً کچھ بحث نہیں، البتہ اس قدر ضرور کہنا ہے کہ ان آیات کی تفسیر اس قصہ پر موقوف نہیں۔" (باقی آئندہ)

دعائے مغفرت

● جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کے بانی، مفتاح القرآن کے مصنف اور ماہر تعلیم حضرت مولانا محفوظ الرحمان صاحب نامی مرحوم سابق پالیمنٹری سکریٹری وزارت تعلیمات یوپی کی اہلیہ محترمہ کا سنیچر ۲۲ر اپریل ۱۹۹۴ء کو چار بجے سہ پہر کو بہرائچ میں مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کو قرآن کریم و دینی تعلیم سے بہت شغف تھا۔ شہر کی سیکڑوں بچیوں کو قرآن کریم اور دینی تعلیم سے فیضیاب کیا۔ دعوت و تبلیغ سے خاص مناسبت تھی۔ اس سے بہت سی عورتوں کی اصلاح کی۔ پابند صوم و صلوٰۃ اور ذاکر و شاغل تھیں۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بنارس اور اس کی ایک قدیم جامع مسجد

گیان واپی

مولانا محمد خالد ندوی

ایک تاریخی جائزہ

گیان واپی جامع مسجد باری مسجد سے کہیں زیادہ قدیم وسیع اور کشادہ پختہ کی بنی ہوئی ہے جس جگہ یہ مسجد واقع ہے وہاں آج سے دو ہزار سال پہلے ایک باؤلی تھی جس کو واپی کہا جاتا تھا اس باؤلی کو پاٹ کر بدھسٹوں نے اپنے دور اقتدار میں ایک خانقاہ تعمیر کی اور وہاں وہ گیان دھیان میں مصروف رہا کرتے تھے اس مناسبت سے اس جگہ کو گیان واپی اور کثرت استعمال سے گیان باپی کہا جانے لگا۔ بدھسٹوں نے اپنے دور اقتدار میں سارناتھ جو بنارس سے جانب مشرق چند کیلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے اس کو مرکز بنایا تھا اور بنارس جو ہندوؤں کا پوتر استھان تھا اس کو بری طرح تاراج کر دیا تھا یہاں کے بے شمار مندروں کو توڑا اور ہندوؤں کی جمعیت کو منتشر کر دینے کی پوری کوشش کی۔ چند گنتی کے مندران کی زور سے بچ سکے۔ بابو شری کرشن ورمانے "کاشی اور وشوناتھ کا تذکرہ" میں لکھا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ صرف مسلمانوں نے ہی ہم پر حملہ نہیں کئے بلکہ ان سے بہت پہلے بودھوں نے ہمیں بہت زیادہ نقصان پہونچایا۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: ہندو راجہ کے اثر سے کاشی میں بدھ مذہب کی ترقی نہ ہوتے دیکھ کر بودھ راجہ شیش ناگ نے کاشی حکومت کو فتح کر کے کاشی دار السلطنت کو بودھ راجہ کے زیر حکومت کیا اور اپنے لڑکے کو عنان حکومت دیکر وہ مگدھ چلے گئے۔ شیش ناگ راجہ کے خاندان کا پانچواں راجہ میار ہوا۔ جس کے وقت میں کچھ تھوڑی سی تعداد سناتن دھرمیوں کی چھوڑ کر کاشی کے ساتھ پورا ہندوستان بودھ مذہب کا پیرو ہو گیا۔ (مرقع بنارس ص ۱۹، ص ۲۰)

تاریخ آئینہ حقیقت نما کے مصنف نے ج ۱ ص ۵۵ پر لکھا ہے۔

"بودھ مذہب نے ہندوستان میں رائج ہو کر قدیم برہمن مذہب کو درہم برہم کر ڈالا تھا۔ (ماخوذ مرقع بنارس ص ۲۰) راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند اپنی کتاب آئینہ تاریخ نما کے ص ۹۰-۹۱ پر یوں رقمطراز ہیں۔

"بدھوں کے حملہ کے بعد بنارس میں ہندوؤں کے صرف ۳۳ مندر باقی رہ گئے تھے اور بقیہ سب تباہ و برباد کر دیئے گئے تھے۔ مندروں کے توڑنے اور برباد کرنے کا جہاں تک تعلق ہے اس میں خود ہندو راجاؤں نے بھی اہم رول ادا کیا ہے۔ اس لئے کہ کاشی کے مندر میں چڑھاوے کی رقمیں اتنی زیادہ آتی تھیں کہ ہوسناک اور لالچی راجہ مندروں کے تقدس کا خیال کئے بغیر مورتیاں جو انتہائی بیش قیمت ہوتی .... تھیں اٹھوا لیتے۔ اور مندر کو مسمار کرا دیتے تھے چنانچہ ایک مصنف لکھتا ہے۔

ہندو راجہ ہرش نے مال کی ہوس میں مندروں کو توڑا اور مورتیوں کو رسیوں سے باندھ کر کھینچوایا (کاشی اور وشوناتھ مصنفہ بابو شری کرشن ورما بحوالہ مرقع بنارس)

ایک دوسرا مورخ لکھتا ہے:

"جدھر بیسیوں دوار کا سے آکر راجہ پنڈا یک کو شکست دی اور شہر بنارس کو لوٹ کر آگ لگا دی"

ایک تیسرا مورخ یوں بیان کرتا ہے۔

"راجہ دیو داس نے گنیش کی مورتی توڑی۔ نیک کھبیکی بدھا سے بنارس نگری برباد ہوئی"

راجہ شیش ناگ کا تذکرہ آچکا ہے بابو کرشن ورما نے یہ بھی لکھا ہے:

"مگدھ کے راجہ شیش ناگ نے کاشی نریش کو شکست دیکر شہر پر قبضہ کر لیا اور گیان باپی ٹیوا کر اپنی خانقاہ بنوائی۔

ان مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے بہت پہلے کاشی میں مندروں کو مسمار کیا جاتا رہا ہے بودھوں نے جو مورتی پوجا کے مخالف تھے جن جن کر مورتیوں کو توڑا اور مندر کو مسمار کیا ہے اور ہندو راجاؤں نے بھی بعض مندروں کو مال کی لالچ میں بلا جھجک تاراج کیا ہے اور گیان باپی مسجد کی جگہ ایک باؤلی تھی جس پر بدھسٹوں کی ایک خانقاہ پاٹ کر بنائی گئی تھی اور اس زمانہ میں گیان دھیان کا وہ اہم مرکز تھی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مرکز روحانیت کو کب اور کس نے تباہ و برباد کیا اور اس کے تقدس کو پامال کیا۔ یہ داستان بھی تاریخ کا بڑا کرب ناک باب ہے۔ بدھسٹوں نے بنارس میں جو کچھ کیا تھا اشکا آچاریہ کی قیادت میں برہمن قوم نے راجپوتوں سے ملکر ان کا اس طرح استیصال کیا کہ پڑھتے وقت آنکھیں نم اور پیشانی شرم سے جھک جاتی ہے، سوامی شنکرا چاریہ کا زمانہ پیدائش ۷۸۸ء کے قریب بتایا جاتا ہے، تیسری صدی ہجری کا زمانہ ہے اسی زمانہ میں مشہور

مورخ مسعودی ہندوستان آیا ہے۔ شنکر آچاریہ کی پیدائش مالابار موجودہ کیرالا میں ہوئی تھی اور اسوقت تک مالابار کے ساحل پر اسلامی کارواں پہنچ چکا تھا۔ اور اسلام کی نشر و اشاعت کا کام تیزی سے ہو رہا تھا۔ مالابار کی تقریباً دس فیصد آبادی مسلمان ہو چکی تھی۔ مسلم تاجروں نے مالابار سے لیکر جاوا سماترا تک اور مدراس کے ساحلی علاقوں کو اپنی تجارت اور اسلام کی دعوت و نشر و اشاعت کیلئے اپنی کوششوں کا مرکز بنا لیا تھا۔ ان کی خوش اخلاقی عدل و انصاف، معاملات میں دیانت اور امانت کی وجہ سے بڑی تیزی سے مقامی آبادی اسلام کی طرف کشاں کشاں بڑھ رہی تھی ایسے وقت میں سوامی شنکر آچاریہ نے جو آرین نسل سے تھے انھیں اپنی قوم کی ننگ ہوئی لیکن مسلمانوں سے وہ نہیں الجھے بلکہ انھوں نے بازیگاہ شمالی ہند کو بنایا اور پوری قوت کے ساتھ بودھ ازم کے خلاف جد و جہد..... شروع کر دی۔ آرین اپنے آپکو موحد کہتے تھے، اور بدھسٹوں میں تعداد زمانہ کی وجہ سے گوتم بدھ کی مورتی پوجا کا رواج ہو گیا تھا، اس کے خلاف شنکر آچاریہ کی جد و جہد جنوبی ہند سے نکل کر شمالی ہند کے میدانی علاقوں تک پھیل گئی۔ بودھ ازم کی پسپائی ہوئی اور ہندو مذہب کو نئی توانائی اور زندگی نصیب ہوئی تاریخ آئینہ حقیقت نما کے مصنف نے اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"شنکر آچاریہ نے جب بودھوں کے خلاف جہاد کیا اور نوزائیدہ برہمن مذہب کی تائید شروع کی، تو راجپوتوں کی اس جدید قوم اور جدید طاقت نے شنکر آچاریہ کی خوب اعانت کی اور شنکر آچاریہ نے راجپوتوں کی طاقت سے فائدہ اٹھانے میں خوب مستعدی دکھلائی۔" (عاقل)

راجپوت مغول نسل کے ہیں

برہمنوں کی تربیت دادہ راجپوت قوم کی بابت مسٹر کے ایم پانکر مصنف "تاریخ ہند" لکھتے ہیں۔

"آٹھویں اور نویں صدی میں راجپوت قوم کا ستارہ چمکا، ان کا نسب اور ان کی تاریخ ہند کا لاینحل معمہ تھی اور ان کی اصل ابھی تک سربستہ راز بنی ہوئی تھی غالباً زیادہ تر راجپوت مغول یعنی تاتاری فاتحین کی نسل سے ہیں۔ قوم مرور ایام سے ہندو مذہب اور ہندو تہذیب اختیار کر کے آریہ ورت کے فرزندوں میں داخل ہو چکی تھی، بعد میں آنیوالے قبائل آریہ مذہب میں داخل ہو کر راجپوتوں کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اس کے علاوہ ایسی ذاتیں بھی راجپوت قوم میں شامل ہو گئیں، جو ہندوستان کے قدیم باشندوں سے تعلق رکھتی ہیں" (۱۲۹ آئینہ حقیقت نما) اسی راجپوت قوم کی بابت لالہ لاجپت رائے انہانی تحریر فرماتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ ہندو سوسائٹی میں بہت سے ایسے آدمی شامل ہیں جو خالص آریہ نسل کے نہیں ہیں اور جن کو ہندوؤں نے اپنے مذہب میں شامل کر کے اپنی سوسائٹی کا منفرد ممبر بنا لیا۔ اس طریقہ سے انھوں نے بہت سی ایسی قوموں کو بھی ہندو سوسائٹی میں داخل کر لیا ہے جو اس ملک کے ابتدائی باشندوں گونڈ اور بھیل وغیرہ سے ہیں۔ بورہین مورخین اقوام جات، اہیر اور گوجر بھی تورانی قبیلوں میں گنتے ہیں (مرقع بنارس ص۵۸)

شنکر آچاریہ نے راجپوتوں کی طاقت سے فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کی۔ قنوج، بنارس اور داس کوہ تک برہمنوں اور راجپوتوں کا قبضہ ہو گیا۔ چونکہ شنکر آچاریہ جدید مذہب کا مقنن اور مصنف تھا۔ لہٰذا اس کی تعلیمات خصوصی وسعت کی نظر سے دیکھی گئیں چونکہ برہمنوں کی مجوزہ تحریک ایک سیاسی تحریک تھی لہٰذا جا بجائے مذہبی اسکول قائم ہوئے، کہیں وشنو کو سب سے بڑا اوتار مانا گیا اور کہیں برہما اور گنیش کو اس طرح ہندو مذہب کے نام ہزارہا فرقہ پیدا ہو گئے جن میں کوئی اصولی اتفاق بجز لفظ ہندو کے پایا نہیں جاتا۔ (ایضاً)

شنکر آچاریہ کی انتقامی کارروائی:

سوامی شنکر آچاریہ نے بڑی ذہانت سے برہمنوں کے قدیم مذہب اور منوسمرتی کے قوانین کا ایک ایسا آمیزہ تیار کیا جس میں اسلام کی توحید کا قلم بھی لگایا گیا تھا اس نئے مذہب کا حقیقی بانی دراصل یہی شنکر آچاریہ ہی تھے غلبہ حاصل کر لینے کے بعد بودھوں کے ساتھ انھوں نے کیا معاملہ کیا راجہ شیو پرشاد کی زبانی سماعت فرمایئے وہ لکھتے ہیں

"سوامی شنکر آچاریہ کو برہمن لوگ خود شنکر یعنی دہادیو کا اوتار مانتے ہیں..... سوامی شنکر آچاریہ نے غیر مذہب والوں کو خوب درست کیا۔ مثل مشہور ہے "النَّاسُ علیٰ دین ملوکھم" رعایا اپنے بادشاہ کے مذہب پر ہوتی ہے، بس جو بودھ بدست رہ گئے تھے، سب ہندوستان سے نکالے گئے یا وید کے پیرو بنائے گئے، بودھوں کے سب وہار خانقاہ اور مندر توڑے گئے اور پھونکے گئے، ان کی جگہ شیو کی مورت قائم ہوئی یہاں تک کہ کشمیر سے لیکر کماری تک پھر برہمنوں کی پوجا ہونے لگی، لیکن شنکر آچاریہ کو یقین کامل ہو گیا تھا کہ آتنے دنوں بودھ کا دین رہنے کے بعد اب ٹھیک وید کے دین پر قدم بہ قدم چلنا اور یگ ہوم وغیرہ پر پورا اعتقاد دلانا لوگوں کو دشوار ہو جائے گا، اس واسطے زمانہ حال کے بموجب سوامی ہی نے ایسی شرحیں اور پوتھیاں ایجاد کیں جن کے اوپر سب کا دل دوڑے اور بودھ کا دین چھوڑ کر وید اختیار کر لینا گراں نہ گزرے، پوتھیاں بھی بہت برائوں کے نام سے نئی نئی بن گئیں۔ کچھ نئی ہیں پرانی ملائی گئیں۔ کچھ پرانی میں نئی شامل

راجپوتوں کے بارے میں اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ وہ اصلاً مغول نسل کے ترکمانی تھے ان کو سیاسی طور پر ہندو مذہب میں ضم کیا گیا، اسلئے کہ وہ بہت جفاکش، بہادر لوگ تھے، مرقع بنارس کے مصنف نے ص۵۵ پر لکھا ہے کہ جب بودھ مذہب مسخ ہو گیا اور بہت پستی عام ہو گئی تو برہمنوں نے میدان میں آکر بودھوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے اور منو کے زمانے کے برہمنی اقتدار کو پھر واپس لانے کی کوشش کی اور چونکہ ان کا انحصار فوجی قوت پر تھا اس لئے بودھوں کے مذہب اور حکومت کو مٹانے کیلئے مغلوں تاتاریوں کے جنگ جو قبائل اور شودروں کے حوصلہ مند لوگوں کو راجپوت کا خطاب دیکر ان سے وہ کام لیا جو چھتریوں سے لینا چاہیئے تھا۔ لیکن ان کی نسل پر سرا جی نے نیت دنا بود کر دی تھی اس لئے بودھوں کی بربادی کے نئے راجپوت قوم بنائی گئی۔ (از مرقع بنارس ص۵۶ تا ۵۷)

کی گئیں۔ لیکن سوامی شنکر آچاریہ تیئیس سال سے زیادہ زندہ نہیں رہے اور اکثر کام ادھورے سے رہ گئے۔

آگے رقمطراز ہیں:-

"بنارس میں خانقاہیں برباد ہو گئیں، سارناتھ، قنوج اور الہ آباد میں بودھوں کے مندر اور ستون منہدم کئے گئے۔ بودھ پرست ہندوستان سے خارج کئے گئے یا زبردستی وید کے پیرو بنائے گئے۔ ان تمام ذرائع کو استعمال کرنے کے بعد برہمن اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی واپسی کے خواب دیکھنے لگے (آئینہ حقیقت نما، ص۱۳۲ ماخوذ از مرقع بنارس ص۶۰)

شنکر آچاریہ کے انتقال کے بعد

بودھوں کے خلاف شنکر آچاریہ کی زیر قیادت جو قتل و غارتگری کا بازار قائم ہوا تھا وہ شنکر آچاریہ کے انتقال کے بعد بھی پورے طور پر جاری رہا اور اسمیں کسی ہمدردی سے کام نہیں لیا جاتا۔ چنانچہ آگے صفحہ ۶۲ پر لکھتے ہیں۔

برہمن جدید فرقہ قائم کر کے ان کو جدید مذہب کے نام سے رواج دینے لگے۔ اور جہاں موقع ملا بودھوں کو قتل اور جلاوطن کرنے کی کارروائیاں عمل میں لاتے رہے شیو کے پرستار، وشنو کے پرستار گندھرپ وغیرہ کے پرستار غرض کہ سینکڑوں فرقہ بودھ مذہب کی جگہ پیدا ہونے لگے۔

بنارس کی تباہی

اس کا ذکر آچکا ہے کہ راجہ شیش ناگ بودھ مذہب مگدھ سے آکر بنارس کو صرف اس لئے تاراج کیا تھا کہ وہ برہمن ازم کا زبردست مرکز تھا۔ ہندوؤں میں اس کا تقدس قائم تھا۔ وہ کاشی کو نور اور روشنی کا مرکز سمجھتے تھے۔ لہٰذا اس کی تباہی حقیقت میں برہمن ازم کے خاتمہ کے مترادف تھا۔ اس لئے دشت غارالاں سارناتھ کو بودھ مرکز مان کر اس کی مرکزیت کو فروغ دینے میں اس قدیم شہر کی ویرانی بھی پیش نظر تھی لیکن جب بودھ ازم کو فروغ ہوا اور اس شہر میں ان کی خانقاہیں بڑے پیمانے پر قائم ہو گئیں۔ تو اس شہر نے پھر بودھ ازم کے نظریات کے ساتھ ترقی کی۔ سیکن چرخ کہن کو ابھی ایک اور خون آشام دور کا مشاہدہ کرنا تھا جو سوامی شنکر آچاریہ کی آمد اور زبردست انتقامی کارروائی کے ساتھ ظہور پذیر ہوا..... یہ نویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے، اس پرآشوب زمانہ میں گیان باپی کا یہ مرکز بھی کھنڈر بن کر رہ گیا۔ اور ایک عرصہ تک دشت وحشت بنا رہا۔

جامع مسجد گیان واپی کی تعمیر

گیان واپی کی مسجد شاہان شرقیہ کے زمانہ میں تعمیر ہوئی اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کی تعمیر نہ کسی بادشاہ نے کرائی ہے اور نہ عوامی چندہ سے اس کی تعمیر ہوئی بلکہ اس کی تعمیر کا سہرا قاضی صدر جہاں جو ابراہیم شاہ شرقی کے زمانہ میں صدر الصدور کے منصب پر فائز تھے ان کے ایک عزیز شاگرد کے سر ہے جنھوں نے اس وسیع آراضی کو جو ویران پڑی ہوئی تھی، آباد کرنے کی کوشش کی اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ مرقع بنارس کے مصنف نے لکھا ہے۔

"یہ واقعہ ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی جونپور کے صدر الصدور قاضی صدر جہاں اور ان کے ایک متمول شاگرد نے نویں صدی ہجری میں یہ جامع مسجد حضرت عالمگیر کے جد امجد ہمایوں بادشاہ کے عالم وجود میں آنے کے بہت پہلے بنوائی۔ (مرقع بنارس ص۲۳)

جامع مسجد کے موجودہ خطیب و امام مفتی عبدالباسط نے اس مسجد کی تاریخی حیثیت کو واضح کرنے کے لیے ایک کتابچہ میں اس کی تعمیر پر یوں روشنی ڈالی

اس کی تعمیر کا زمانہ ۸۰۲ھ اور ۸۴۳ھ کے درمیان ہے۔ یعنی اس کی تعمیر نویں صدی ہجری کے نصف اول میں ہوئی جبکہ عالمگیرؒ کی حکومت کا زمانہ گیارہویں صدی ہجری کا نصف اخیر ہے اس طرح یہ مسجد اورنگ زیب عالمگیر سے دو سو برس پہلے تعمیر ہو چکی تھی اور اس میں باقاعدہ نماز جمعہ ہوتی تھی، مغلیہ دور کی ایک تاریخ میں جو فارسی زبان میں ہے اس مسجد کی تعمیر کا ذکر ہے (تاریخ کے آئینہ میں ص۳)

چنانچہ، مصنف تذکرۃ المتقین فی احوال خلفاء سید بدیع الدین قطب المدار سید امیر حسین صاحب طیفوری ص۱۸۵ پر لکھتے ہیں۔

"از تلمیذان (قاضی صدر جہاں) شیخ سلیمان محدث از متمولین بودہ، و در اکثر اسفار ساجد جامع کثیر العبادات اساس فرمودہ چنانچہ در بنارس تا ایں زماں موجودات و نماز جمعہ ہمانجا ادا می شود، و در جونپور در محلہ سپاہ مسجدے بر ساحل دریا بنا کردہ طاقے بلند از نشانہائے باقی ماند، و در زماں سلطان حسن شرقی سفر آخرت دے را پیش آمد"

ترجمہ:- قاضی صدر جہاں (۸۰۲ھ تا ۸۴۳ھ) کے ایک مالدار شاگرد شیخ سلیمان محدث تھے انھوں نے متعدد شہروں میں مسجدیں تعمیر کیں، انھوں نے بنارس میں بھی ایک مسجد تعمیر کی جس میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے، انھیں شیخ سلیمان محدث نے جونپور شہر کے محلہ سپاہ میں بھی ایک مسجد گومتی کے ساحل پر تعمیر کی اس کے نشانات آج تک باقی ہیں۔ ان کی وفات سلطان حسن شرقی کے زمانہ میں ہوئی۔

(باقی آئندہ)

بقیہ ایک فلپائنی خاتون

اور اب بھی آرزو ہے کہ خالص اسلامی طرز پر اس کی تعلیم و تربیت کرنے میں اللہ میری مدد فرمائے۔

اپنی زندگی میں اس جرأتمندانہ اقدام کے ذریعہ اگرچہ میں نے اسلام کے بارے میں اپنے متوقع مقاصد حاصل کر لیے ہیں لیکن میرے دل کو اس وقت تک چین و قرار حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ فلپائن کے اندر موجود اپنے دوسرے افراد خانہ کو بھی اس ابدی نظام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر آمادہ نہ کر لوں اور ان کے دل میں بھی دین اسلام کی محبت کا چراغ نہ جلا دوں۔

ملاقات کے آداب

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ..... ترجمہ: مولانا عبیداللہ اسعدی

اگر کسی کے پاس ملنے جانا ہو، خواہ پہلے سے وقت طے رہا ہو یا اس کے بغیر اچانک ہی جانا ہو اور جس کے پاس گئے وہ اس وقت ملاقات کا وقت دینے سے معذرت کرے تو اس کی معذرت قبول کرلو۔ اس لیے کہ اپنے گھر کے حالات کو وہ زیادہ جانتا ہے اس کو کوئی اہم مانع ہی پیش آیا ہوگا یا یہ کہ اس کو کوئی پریشانی و فکر لاحق ہوگی جس کی وجہ سے وہ ملاقات کا وقت نکالنے سے معذور ہوگا۔ اس لیے معذرت کردی تو اس کو اس کا موقع دو۔

مشہور تابعی حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی فرماتے ہیں:

"جن لوگوں نے معذرت کردی ہو ان کے دروازے پر اڑے نہ رہو، جیسے تمہاری ضرورتیں ہوسکتی ہیں ان کے کام ہوسکتے ہیں اور وہ اس کا حق رکھتے ہیں کہ معذرت کریں اور ان کی معذرت قبول کی جائے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، ہر آدمی اپنا عذر بھی بیان نہیں کرسکتا، اسی لیے پرانے زمانے میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی آدمی کسی سے ملنے جاتا تو دوسرے کی سہولت کے پیش نظر اپنی جرف سے ہی یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ کوئی عذر مانع تو نہیں ہے۔

یہ بہت ہی اہم ادب ہے اور اس کی بروقت معذرت سے بسا اوقات آدمی کو کافی کلفت ہوتی ہے۔ اسی کلفت کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آمد و رفت اور ملاقات کے آداب و احکام کو بیان فرمایا ہے:۔

"وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکیٰ لکم" (سورہ نور آیۃ ۲۸)

(اور اگر تم سے یہ کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے)۔

اس آیت میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی ہدایت اور واضح راہ موجود ہے جو کہ بعض وقت کسی آنے والے سے کسی وجہ سے ملنا نہیں چاہتے تو گھر میں رہتے ہوئے بھی وہ یہ کہلاتے ہیں کہ گھر میں نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ اس سے آدمی کے چھوٹے کبھی یہ گندی و ناپسندیدہ شے سیکھتے ہیں اور بعض مرتبہ اس قسم کی حرکت دلوں میں دوری اور تکدّر و عداوت کا باعث و سبب بھی بن جاتی ہے۔ قرآن کریم کی ہدایت نے ہم کو اس قسم کی تمام چیزوں سے بچالیا۔ اس لیے کہ میزبان کو اور جس کے یہاں جایا جائے اس کو یہ حق دے دیا کہ حسن انداز سے معذرت کردے اور جانے والے کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کی معذرت کو قبول کرلے۔

ابھی جہاں میں بڑا انقلاب ہونا ہے

ماہر القادری

جہاں میں نقش وفا چھوڑ کر گذرتا جا
حنین و بدر کے خاکوں میں رنگ بھرتا جا

مٹا سکے نہ جسے انقلابِ مستقبل
جبینِ دہر پہ ایسا بھی نقش کرتا جا

نگاہِ دہر ہے پھر یوقبیس کی جانب
جہاں پہ نور فشاں ہو کے خود نکھرتا جا

قسم ہے پائے محمدؐ کی ٹھوکروں کی تجھے
گزر رہا ہے تو پتھر کو نرم کرتا جا

حراء سے پھر کوئی نغمہ سنا رہا ہے تجھے
قریب آ کہ زمانہ بلا رہا ہے تجھے

ترے غلام ازل سے ہیں نصرت و اقبال
یہ کیوں کہوں کہ تجھے کامیاب ہونا ہے

تری نگاہ کرم کا ہے منتظر شاید
وہ ذرہ جس کو ابھی آفتاب ہونا ہے

نہ دیکھ رشک سے تہذیب کی نمائش کو
تجھے جہان میں فقط بوترابؓ ہونا ہے

نہیں ہوئی ابھی بیدار جرأتِ فاروقؓ
ابھی جہاں میں بڑا انقلاب ہونا ہے

ترے تبسم رنگیں پہ ہے چمن کی نظر
کہ خار و خس کو چمن میں گلاب ہونا ہے

تمام دہر کا سلطاں بنا کے بھیجا ہے
خدا نے تجھ کو مسلماں بنا کے بھیجا ہے

الوداع

سوئے خاتمہ

زبیر مسعود خان

یہ عورت نماز نہیں پڑھتی تھی فیشن کی دلدادہ اور بے حیا تھی

اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے عام سنت کے برخلاف ایسے واقعات ظاہر فرماتا ہے تاکہ بندوں کو فکر آخرت ہو۔ اس قسم کے واقعات کا ظہور بھی خدا کی رحمت ہے کہ دوسرے بندے ہوشیار ہوجائیں اور اپنے اعمال کو درست رکھنے کی فکر کریں۔

مجھ سے میرے ایک دوست نے یہ عجیب حیرتناک و عبرتناک واقعہ سنایا: کہ کویت عراق کی جنگ سے پہلے میں کویت میں مقیم تھا، وہاں میں مُردوں کی تجہیز و تکفین اور دفن وغیرہ کے امور سے وابستہ تھا، اور لوگوں میں اسی حیثیت سے معروف تھا، جنگ کے دوران مصر آگیا۔ اسی دوران مجھ سے ایک دن ایک خاندان کے لوگوں نے رابطہ قائم کیا، اور خاندان کی ایک عورت کی تکفین کے سلسلہ میں بات کی، چنانچہ میں قبرستان گیا۔ اور مُردوں کے غسل دینے کی جگہ جاکر بیٹھ گیا، انتظار میں تھا کہ جنازہ تیار ہو کر نکلے کہ اتنے میں چار باپردہ عورتوں کو غسل دینے کی جگہ سے تیزی سے نکلتے ہوئے دیکھا ان پر گھبراہٹ طاری تھی، مگر میں نے ان سے کچھ پوچھا نہیں کہ ہوگی کوئی وجہ، تھوڑے وقفہ کے بعد وہ عورت نکلی جو مردہ عورتوں کو غسل دیتی ہے، اس نے مجھ سے میت کو غسل دینے میں مدد طلب کی، میں نے اس سے کہا کہ کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی عورت کو غسل دے، اس نے مجھ سے کہا کہ میت کا جسم بہت دبلا ہے جو عام طور پر نہیں ہوتا میرا جواب سنکر پھر وہ اندر چلی گئی، کسی طرح غسل دیا اور کفن پہنایا، پھر ہم جنازہ کو اٹھانے کے لیے اندر گئے، ہم گیارہ آدمی تھے، جنازہ اتنا وزنی تھا کہ ہم سب نے مل کر جنازہ اٹھایا، جب ہم قبرستان پہونچے اور جیسا کہ مصر میں رواج ہے کہ ان کی قبریں مکروں کی طرح ہوتی ہیں، وہ بلندی سے سیڑھی کے ذریعہ مکرے میں اترتے ہیں، جہاں مردوں کو بغیر مٹی ڈالے رکھتے ہیں، جب ہم نے لاش کو اپنے کندھوں سے اتارا، تو لاش مکرے کے اندر پھیلنے اور گرنے لگی، اس منظر کو دیکھ کر ہم سب گھبرا گئے..... اور وہ ہمارے قابو سے باہر ہوگئی، اتنے میں ہم نے اس کی ہڈیوں کی چرچراہٹ سنی جیسے ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں، ہم نے دیکھا کہ کفن کا کچھ حصہ ہٹ گیا ہے، میں تیزی سے لاش کی طرف بڑھا اور اس کو ڈھک دیا، پھر بڑی مشکل سے اس کو قبلہ رخ کرسکا، دوبارہ کفن چہرے کی طرف سے کھل گیا، اس وقت میں نے عجیب منظر دیکھا ہم نے دیکھا کہ آنکھیں جیسے باہر کی طرف نکل رہی ہوں اور چہرا کالا ہوچکا تھا، ہم منظر کی ہولناکی سے ڈر گئے، اور تیزی سے باہر آگئے، اور کمرہ کا دروازہ بند کردیا، جب میں اپنی قیام گاہ پہونچ گیا تو مجھ سے مرنے والی عورت کی اولاد میں سے ایک لڑکی ملی، اور اس نے مجھ کو قسم دلا کر پوچھا کہ اس کی والدہ کے ساتھ قبر میں داخل کرنے کے دوران کیا پیش آیا، میں نے جواب نہ دینے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ اس بات پر مصر رہی کہ میں اس کو میت کی حالت سے باخبر کردوں، حتیٰ کہ میں نے اسے سب کچھ بتادیا، اس وقت اس نے مجھ سے کہا کہ اے شیخ جس وقت آپ نے ہم کو غسل کی جگہ سے تیزی سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ ہم نے اپنی والدہ کے چہرے کو کالا ہوتے دیکھا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری والدہ نے کبھی نماز نہیں پڑھی اور ان کی موت اس حال میں ہوئی کہ وہ بہت فیشن ایبل اور بے حیا تھیں، شرم و حیا نام کی کوئی چیز ان میں تھی ہی نہیں۔

کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ایسے مناظر دکھا دیتا ہے کہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں، ہر میت کے حالات کو اس دنیا میں دکھانا حکمت خداوندی کے خلاف ہے کہ پھر ایمان بالغیب کی مصلحت ختم ہوجائے گی۔

ناک کی موت سے پہلے مچھلی بھی بھوری ہو جاتی ہے
جی کی رو بازی کے آگے زہر بھی ہے دودھ جیسا
قوت پرواز گرنے کو ہے پہلے ہوئے پر کی طرح
دیکھ لے تتلی کے تو کرسی کی تجوری میں خرابی

علامہ اقبال

ناقص نصاب تعلیم کی اصلاح کا مطالبہ

ہمارا آئینی حق اور وطنی و قومی فرض ہے

۱۰ مئی ۱۹۹۳ء کے شمارہ میں علاقائی دینی تعلیمی کانفرنس نجیب آباد میں پڑھا جانے والا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی مدظلہ کا خطبہ آپ پڑھ چکے ہیں جلسہ کی مختصر کارروائی جو ادارہ کو دیر میں ملی ہدیۂ ناظرین ہے، کہ اپنی نئی نسل کے لیے اردو اور دینی تعلیم کتنے بڑے دیگر ضروریات زندگی سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ پڑھیے اور عوام کے شعور کو بیدار کیجئے۔

اس غلط و ناقص نصاب تعلیم کی اصلاح کا مطالبہ اور اس کے لیے ہر طرح کی جد و جہد ہمارا آئینی حق اور وطنی و قومی فرض ہے۔ اگر ہم اس کو جرأت اور استقامت کے ساتھ انجام دیں گے تو ہم اس ملک کے ساتھ حقیقی وفاداری اور صحیح حب الوطنی کا ثبوت بھی دیں گے۔ اس نصاب اور اس کے غلط اندیش و کوتاہ نظر مرتبین نے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کو جو صلاحیتوں سے معمور ہے ایک ذہنی انتشار و اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے جو اس ملک کی قومی یک جہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے لیے سخت مضر اور ہندوستان کی مجموعی ترقی و خوش حالی میں حارج ہے۔

دینی تعلیمی کونسل کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ان خیالات کا اظہار اپنے اس کلیدی خطبہ صدارت میں کیا جو نجیب آباد کی علاقائی دینی تعلیمی کانفرنس میں خود مولانا نے ایک بڑے جلسۂ عام میں پڑھا اور جسے انتہائی توجہ اور انہماک سے سنا گیا۔

مولانا علی میاں نے بڑے جذباتی انداز میں اس دعوت و پیغام کو دہرایا کہ ہندوستان میں ملت کے تشخص کو بچانے کی ذمہ داری آپ کی ہے آپ اس ملک میں مسلمانوں کے تشخص کو بچانے اور اس کی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی ذمہ داری قبول کریں۔ آپ ہندوستان کے وفادار مفید کارآمد اور اس کے ضروری جز ہونے کی حیثیت سے اپنی افادیت و اہمیت ثابت کریں اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت آسمانی کتاب اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بننا چاہیے۔

مولانا نے کہا کہ وہ شاہ کلید جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے وہ ہے ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ اگر اس ملک کے مسلمان یہ فیصلہ کر لیں کہ ان کو اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کا تحفظ اور ان کی تعلیم کے مسئلہ کا حل ہر مسئلہ، ہر مفاد، ہر سہولت، ہر عزت، ہر خوش حالی اور ہر کامیابی سے زیادہ عزیز ہے، تو یہ مسئلہ ایک دن میں حل ہو سکتا ہے۔

دینی تعلیمی کونسل کی تحریک اس کی خدمات اور اس کے زیر اہتمام اضلاع میں انجمن تعلیمات دین کے قیام و استحکام کی ضرورت اور افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نے کہا کہ مکاتب کا جال بچھا دیا جائے، ہر مکتب خود کفیل ہو، یہ کام ملت کے لحاظ سے آپ پر فرض ہے۔ یہ کام بغیر کسی تخریب، کسی جارحانہ اقدام، کسی معاندانہ ذہنیت، کسی حریفانہ کشمکش، کسی شرپسندی اور انتشار کے بغیر ہو سکتا ہے، اس کے لیے ذاتی مفادات، ذاتی جذبات اور ذاتی وابستگیوں کی قربانی کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دینی تعلیمی کونسل سے برابر رابطہ قائم رکھا جائے۔

دینی تعلیمی کونسل کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی اپنی علالت کی بنا پر کانفرنس میں شریک نہیں ہو سکے، ان کی عدم موجودگی میں ان کا خطبۂ افتتاحیہ ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی نے پڑھا جس میں تحریک و تنظیم کا بھرپور تعارف تعلیم کی راہ سے جو خطرات درپیش ہیں ان کا مکمل تجزیہ اور مستقبل کے حالات کا صحیح اندازہ اور ان پر قابو پانے کے لیے دینی تعلیمی کونسل کے تعلیمی منصوبوں اور حکومت سے مطالبات کی تفصیل اس طور پر پیش کی گئی تھی کہ یہ خطبہ ایک دستاویز بن گیا۔

خطبۂ افتتاحیہ میں کہا گیا کہ اس تحریک کے نتیجہ میں پندرہ ہزار مدرسے قائم ہوئے اور لاکھوں مسلمان بچوں کی دینی اور عصری تعلیم کا انتظام ہوا۔ اتنے بڑے پیمانے پر تعلیمی اداروں کا قیام آسان نہیں تھا لیکن مسلمانوں نے اپنے جذبۂ ایمانی سے اس محاذ کو سر کیا۔

کانفرنس کا پہلا اجلاس جو مختلف اضلاع کے نمائندوں پر مشتمل تھا۔ مولانا محمد برہان الدین سنبھلی کی صدارت میں ہوا جس میں بجنور نگینہ اور نجیب آباد کے علاوہ رام پور، مراد آباد، شاہ جہاں پور، سہارن پور دیوبند، علی گڑھ، سیتاپور،

باقی صـ ۲۹ پر

حیات بعد الممات سائنس کی روشنی میں

— ڈاکٹر صفیہ نسیم۔ اسسٹنٹ ڈائرکٹر سی۔ ڈی۔ آر۔ آئی —

تمام ذی حیات کے اندر ارتقار کا عمل تین ادوار پر مشتمل ہوتا ہے، دورِ آغاز۔ دورِ عروج۔ اور دورِ زوال۔ ارتقار کسی مسلسل حرکت کا نام نہیں ہے بلکہ یہ حرکتِ عمل ایک نقطہ پر پہونچکر ختم ہو جاتی ہے اسی کا نام فنا ہے، اسلامی عقیدے کے مطابق فنا کے بعد پھر بقار ہے، یعنی روزِ قیامت لوگ پھر زندہ کئے جائیں گے اور وہ اپنے اپنے اعمال کا حساب دیں گے، اکثر ناپختہ ذہن اس عقیدے کے بارے میں کج بحثی کرتے ہیں۔ حالانکہ خود قرآن حکیم جو سائنسی علوم کا سرچشمہ اور اسکی بنیاد ہے اس بات کیطرف متعدد بار نہایت ہی واضح الفاظ میں نشاندہی کرتا ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"[1] اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے، اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو سنتے ہیں" (۱۶ : ۶۵)

"اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو (اپنی قدرت کاملہ سے) بنایا اور آسمان سے مینہہ برسایا۔ پھر اس سے پھل پیدا کئے جو تمہاری غذا ہیں (۲:۲۲)

"اور وہی ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والی بارش سے پہلے۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں اٹھا لاتی ہیں بھاری بادلوں کو تو ہانک دیتے ہیں، ہم اس بادل کو ایک شہر مردہ کی طرف، پھر اتارتے ہیں اس بادل سے پانی، پھر اس سے نکالتے ہیں سب طرح کے پھل، اس طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم غور کرو۔" (۷ : ۵۷)

"اور اسی نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز۔ پھر نکالی اسمیں سے سبز کھیتی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا۔ اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے، اور باغ انگور کے اور زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی۔ دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے۔ اور اس کے پکنے کو۔ ان چیزوں میں نشانیاں ہیں واسطے ایمان والوں کے۔" (۶ : ۹۹)

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی کو روئیدگی کیلئے ترجیح دی ہے کیونکہ بارش کے پانی میں مختلف قسم کی کھاد ہوتی ہے۔ جب بجلی بادلوں میں چمکتی ہے تو ہوا میں موجود نائٹروجن اور آکسیجن گیسیں ایک کیمیاوی عمل کے ذریعہ ایک مرکب یعنی NITRIC OXIDE بناتے ہیں جو ہوا میں موجود نمی اور Ammonia گیس سے مل کر Ammonium nitrate بناتے ہیں جو ایک مفید کھاد ہے باقی ماندہ بارش کا پانی زمین پر گر کر اس میں موجود Phasphate اور Potassiumcalcium سے مل کر مختلف کھاد جیسے۔ POTASSIUM - NITRATE - CALCIUM NITRATE اور POTASSIUM. PHAS FHATE بناتے ہیں جو نہایت مفید کھاد ہیں اس طرح بارش کا پانی زمین کو زرخیز بناتا اور اس میں روئیدگی پیدا کرتا ہے جس سے بھرپور فصلیں اگتی ہیں۔ اسی بنا، پر اللہ تعالیٰ نے نباتات کے لئے بارش کے پانی کو فضیلت دی ہے۔

خداوند مردہ زمین سے کسی طرح جاندار نباتات پیدا کرتا ہے اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہ آسمان سے بارش نازل کرتا ہے پھر اس بارش کا پانی سخت سے سخت زمین یہاں تک کہ پتھروں میں داخل ہو کر ہوا اور روشنی کیلئے راستہ بناتا ہے اور اس میں بالیدگی پیدا کرتا ہے زمین کے جامد مواد مثلاً MAGNESIUM PHOSPHATE SULPHUR. POTASSIUM. SODIUM. اور ہوا کے باہم ملاپ سے مختلف مرکبات بناتا ہے جو پانی کے ذریعہ حل ہو کر عجیب و غریب طریقے سے متحد ہوتے ہیں اور پھر اسی سے سبزے کی تخلیق ہوتی ہے کچھ عرصہ بعد اسی سبزے کی تخلیقی سرگرمی سے گندم باجرہ۔ مکا اور چاول وغیرہ کی پیداوار ہوتی ہے۔ جن کی بالیوں میں تہہ در تہہ دانے ہوتے ہیں جن میں نشاستہ، لحمیہ اور چکنائی کے GRANULES ہوتے ہیں۔

کس نے بھردی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟

انھیں مثالوں کے ذریعہ سمجھایا جا رہا ہے کہ کس طرح مردہ زمین کے مردہ اجزار اور بارش کا پانی سبزہ کی تخلیق کا موجب ہوتے ہیں اور پھر اسی سبزہ (CHLOROPHYLL) اور سورج کی مشترک عمل سے مزید نئے نئے مرکبات بنتے ہیں جن سے پودا ایک مدت تک نشوونما پاتا ہے۔ یہ مرکبات آپس میں ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی۔ مثال کے طور پر شکر اور نشاستہ میں ایک ہی قسم کے عناصر یعنی کاربن۔ آکسیجن۔ اور ہائیڈروجن موجود ہوتے ہیں۔

[1] آیات کا ترجمہ مولانا محمد محمود الحسن صاحب کا ہے)

باقی صـ ۲۷ پر

بیت المقدس کی اسلامی تاریخ

اور

قرآن و حدیث کی نظر میں اسکا مقام و مرتبہ

(۲)

ترجمہ : محمد ابراہیم ندوی

بیت المقدس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث مروی ہیں ہم یہاں پر چند حدیثیں ذکر کریں گے

امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح میں حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میری امت کا ایک طبقہ حق پر گامزن اپنے دشمنوں پر غالب رہیگا، ان سے مورچہ آزمائی کرنے والا ان کو نقصان پہونچا سکے گا اور نہ کوئی آزمائش ان کا بال بیکا کرسکے گی یہاں تک کہ انکی اسی حالت میں خدائی فیصلہ آجائے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کہاں ہونگے ؟ آپ نے فرمایا بیت المقدس اور اس کے اطراف میں"

اور حضرت عطاءؒ سے مروی ہے فرمایا: قیامت نہ آئیگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے چنیدہ بندوں کو بیت المقدس میں جمع کریگا اور اسکو ان کا مسکن بنادیا

ابن مسندہ نے انس بن مالکؓ کا قول نقل کیا ہے، جنت بیت المقدس کے لئے والہانہ شوق اور تڑپ کا اظہار کرتی ہے، اور بیت المقدس جنت الفردوس کا ایک حصہ ہے اور روئے زمین کا وسط ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم نے ارشاد فرمایا: "جو جنت کا ایک چپہ دیکھنا چاہتا ہو اس کو چاہیئے کہ بیت المقدس دیکھ لے"

امام حاکم نے اپنی مستدرک اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، "سرزمین شام قابل رشک ہے کہ اللہ کے فرشتے اس پر اپنے بازو پھیلائے رکھتے ہیں۔

اور مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا: "میرے بعد اللہ تعالیٰ تمہارے لئے شام کے دروازے کھول دے گا جہاں کے مرد عورتیں بوڑھے قیامت تک سرحد کے محافظ ہونگے۔

سنن ابوداؤد میں ابوحوالہ سے روایت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے کہ عنقریب تم طاقتور فوجوں کی شکل میں ابھروگے ایک لشکر شام میں دوسرا یمن میں تیسرا عراق میں ہوگا۔ ابوحوالہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے بہتر ہوتا کہ میں وہ زمانہ پالیتا آپ نے فرمایا شام کو جائے سکونت بناؤ اسلئے کہ وہ تمام زمین میں اللہ کا منتخب حصہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو چن کر وہاں پہونچائے گا۔

بیت المقدس کے فضائل

بیت المقدس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اللہ کے برگزیدہ نبیوں کا شہر رہا ہے قاضی محی الدین بن زکی الدین قرشی نے سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں فتح فلسطین کے موقع پر سب سے پہلی تقریر میں مسجد اقصیٰ میں موجود مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے انتہائی اثر انگیز لب ولہجہ میں اس کی طرف اشارہ کیا انھوں نے فرمایا: "بیت المقدس انبیاء کی قیام گاہ اولیاء کی منزل مقصود رسولوں کا شہر پیغامات الٰہی کا مرکز اوامر و نواہی کا محل نزول رہا ہے یہ وہ ملک ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کو پیغمبری سے نوازا اور منصب نبوت سے سرفراز فرمایا۔

حقائق کی روشنی میں یہ بات قرین قیاس ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں نے اس شہر کی حد درجہ تقدیس و تعظیم کے ساتھ اس کی پاسبانی و نگہبانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی چنانچہ بائیبل کے سفر التکوین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملک صادق شاہ شالیم (بیت المقدس) ابرام (ابراہیم) کے استقبال کیلئے نکلا اور اس نے روٹی اور شراب کو پیش کیا اور وہ خدا پرست تھا بیت المقدس کا کاہن اور وہیں مقیم تھا اور اس نے کہا ابراہیم بابرکت و خوش قسمت ہے جو خدائے برتر مالک ارض و سماوات کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔

یہ واقعہ اسلامی فتح سے ۳۷ صدی پیشتر کا ہے اور یہ شہر مختلف زمانوں میں خدائے برتر کا شہر قرار دیا جاتا رہا ہے اور اس وقت بھی جب مسلمان اپنے بزرگ اسلاف اور عہد اسرائیلی اور مسیحیت کے آخری دور تک کی درمیانی مدت میں آنے والے تمام اللہ کے پیغمبروں کی میراث کے مالک ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ یہ شہر زمانۂ جاہلیت و اسلام دونوں میں پاکیزہ اور مقدس مقام شمار ہوتا رہا ہے یہی راز تھا کہ خلیفۃ اسلام حضرت عمرؓ بن الخطاب اس شہر میں مصالحانہ طریقہ پر حاصل کرنے کے لئے تشریف لائے اور یہی بنیادی سبب اس بات کا بھی تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اس کی عظمت و احترام کو بدرجہ اتم ملحوظ رکھا اور ایسی ہر طرح کی کاروائی سے محفوظ رکھا جس سے اسکی پاکیزگی اور تقدس پر حرف آئے یا اس کی عظمت و رفعت میں کمی کا سبب بنے خواہ ان مقدس مقامات کا تعلق مسیحیت سے ہو یا یہودیت سے اس باعظمت شہر کی تاریخ کا یہی وہ پہلا موقع تھا جس میں نہ ایک قطرہ خون بہانہ کوئی گھر منہدم ہوا جہاں آج خونریزی و سفاکی، آتشزنی اور تخریب کاری روز کا معمول بن چکا ہے۔

اور انھیں اسباب کی بنا، پر مسلمان خلفاء و امراء اور صلحاء امت نے اسلام کے ہر دور میں اس کو اپنی خاص توجہ کا مرکز بنایا چنانچہ انھوں نے اس میں مسجدیں مدرسے خانقاہیں سرائیں اور شفاخانے تعمیر کرائے یہاں تک کہ وہ ایک مثالی اور منفرد میوزیم بن گیا جو آثار قدیمہ کے اتنے بڑے ذخیرے پر مشتمل ہے جو کسی بھی تنہا ایک شہر میں نہیں ملتا اور ان گلہائے رنگ رنگ میں گل سرسبد فن اسلامی کا یکتائے روزگار موتی اور اس کی عظیم الشان نشانی گنبد صخرہ ہے جس نے ماہرین آثار قدیمہ کو مسحور کر دیا یہاں تک کہ بلا استثناء ہر ایک نے اعتراف کیا کہ تاریخی معلومات اور دستاویز کی روشنی میں اسلامی آثار قدیمہ کی وہ سب سے عظیم الشان اور قابل فخر نشانی ہے۔

عصر حاضر کے ایک مورخ عارف العارف نے "دو الحرم القدسی ۱۹۷۶ء میں ایک مغربی ماہر آثار قدیمہ کا ایک چیپٹر دستاویزی حیثیت سے نقل

کیا ہے کہا ہے: "مسجد صخرہ بلاشبہ روئے زمین پر پائی جانیوالی تمام عمارتوں میں سب سے حسین تعمیری شاہکار ہے یہی نہیں بلکہ فن تعمیر کے تاریخی انبار میں سب سے خوبصورت اور دل کش یادگار ہے"

(باقی آئندہ)

****

بقیہ اداریہ

..... خواہ کیسا ہی قیمتی جانور ذبح کیا جائے اور کتنی بڑی قربانی کا مظاہرہ ہو، اگر نام و نمود کے لیے ہے تو صرف نام و نمود میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

عید رمضاں ہو یا عید قرباں دونوں شخصی مسرت و خوشی کے لیے نہیں ہوتے بلکہ اس مسرت و خوشی کے ساتھ طلبِ رضاء الٰہی کے جذبہ کے ساتھ ملی ہوئی مسرت کے اپنانے اور اس کا مظاہرہ کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس میں دونوں مقصد پورے ہوتے ہیں، فطرت انسانی کی خواہش مسرت بھی پوری ہوتی ہے اور اپنے پروردگار کے سامنے بندہ کی بندگی اور طلب رضاء الٰہی کا بھی عمل انجام پاتا ہے۔

یہ وہ آمیزہ ہے جو مسلمان کی زندگی کے ہر پہلو میں رکھا گیا ہے حتی کہ بعض وقت یہ ظاہری طور پر خالص دنیاوی اعمال میں بھی پایا جاتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ثواب کے حصول کی صورت اس عمل میں بھی ہوسکتی ہے کہ تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دو، جو بظاہر ایک زن و شوہر کا باہمی لطف و لذت کا عمل ہے لیکن اس میں خدا کے اس حکم کی تابعداری کی نیت شامل ہو جائے جس میں بیوی کو خوش اور مانوس رکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، تو وہ ایک دینی عمل بن جاتا ہے۔

اس طرح مسلمان کی دنیا بھی دنیا رہتے ہوئے دین بن جاتی ہے اور اس کی دنیا و دین ایک دوسرے سے وابستہ مشترک عمل بن جاتا ہے اور یہ دراصل نیت کو خالص کرنے اور درست رکھنے سے ہوتا ہے، چونکہ نیت مشکل کام بھی ہے اور نیت آسان بھی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دعوت ایمان و عمل

بمقابلہ سامان و شکل

نوٹ: ۲۹ نومبر تا ۱۵ دسمبر

مرنے کے لیے آئے تھے ہم جینے کا سہارا کرتے ہیں
دن رات مشقت ہم پیہم جانوں پہ گوارا کرتے ہیں
ہم نقش قدم پر غیروں کے اسباب پہ تکیہ کرتے ہیں
اسباب تو مظہر قدرت ہیں قدرت تو خدا کی ذات میں ہے
ہم کوہ و دشت و بیاباں سے ٹکرانے رہتے تھے پیہم

جینے کے سامانوں پہ ہم مرنے کا سہارا کرتے ہیں
اس فانی دنیا کی خاطر عقبیٰ کا خسارہ کرتے ہیں
اسباب کے بل بوتے پر ہم قدرت کا نظارا کرتے ہیں
اسباب پہ تکیہ کرکے ہم عزت کا خسارہ کرتے ہیں
موجوں سے ٹکرانے والے شبنم سے کنارہ کرتے ہیں

اے مسلم خوابیدہ اٹھ جا پیغام کفایت کو سن کر
ہر آن ہم دار و فنی میں ایمان سنوارا کرتے ہیں

وفیات

مولانا حکیم محمد احسن صاحبؒ

مولانا محمد زکریا ندوی استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہم لوگوں کے چچا اور عم محترم حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم کے حقیقی چھوٹے بھائی جناب مولانا حکیم محمد احسن صاحب فاسمیؒ ۵ رمئی ۱۹۹۴ء کو تقریباً ۸۲ سال کی عمر میں طویل اور تکلیف دہ علالت کے بعد اپنے رب کریم کی آغوش رحمت میں پہنچ گئے۔ ناظرین سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

چچا صاحب نے دار العلوم دیوبند میں حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور اس زمانہ کے اکابرین اساتذہ کرام سے دورہ حدیث پڑھا۔ دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد لکھنؤ کے تکمیل الطب کالج میں فن طب کی تکمیل کی اور اس کے معاً بعد ہی اپنے وطن سنبھل میں مطب شروع کر دیا جو بلا انقطاع وفات سے چند دن پہلے تک چلتا رہا۔

چچا صاحبؒ کا مطب حقیقی معنی میں خدمت خلق، آخرت طلبی کے لیے تھا مطب ہمیشہ بہت ہی اچھا چلا لیکن کبھی بھی وہ مال و دولت اور حصول زر کا ذریعہ نہ بن سکا روزانہ بہت سے مریض ایسے ہوتے تھے جن کے نسخوں پر ف کی علامت بنی ہوتی تھی جس کا مطلب تھا کہ اس مریض سے دوا کی قیمت نہ لی جائے۔ کمپاؤنڈر خواہ کوئی بھی رہا ہو اس علامت سے واقف رہتا اور اس پر عمل کرتا تھا۔ بلکہ بہت سے مریضوں کے پرہیز کے لیے بھی اپنے گھر اور اپنی جیب سے انتظام فرما دیا کرتے تھے۔ مریض کے گھر پر جانے کی بھی کوئی فیس نہ تھی پھر چونکہ مطب عام طور پر رہائشی مکان کے کسی حصہ ہی میں رہتا تھا اس لیے مطب کے خاص اوقات کے علاوہ بھی ہر وقت مریضوں کی آمد رہتی تھی جو مریض رات کو سونے کے بعد آتے ان کے لیے بھی چچا صاحب حاضر اور موجود رہتے اور ایسی صورت میں دوا بھی خود ہی دیتے اور اس طرح رات کی نیند کی قربانی کو عبادت ہی خیال فرماتے اور کبھی بھی کسی مریض سے بے وقت آنے کی شکایت نہیں کرتے تھے۔

اللہ نے فن طب میں بڑی مہارت عطا فرمائی تھی، نباضی اور نبض شناسی جو اب معدوم ہو چکی ہے اللہ نے بہت فیاضی سے عطا فرمائی تھی، نباضی کے بہت سے محیر العقول واقعات خود راقم کے دیکھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک واقعہ لکھتا ہوں۔

دو تین سال کی عمر کے ایک بچہ کو اس کے والدین لے کر مطب میں آئے چچا صاحب نے حسب معمول اس کے باپ سے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے ماں اور باپ دونوں نے بیک زبان کہا یہ تو آپ ہی بتلائیں گے۔ میں نے دیکھا کہ چچا صاحب نے بچہ کی نبض پر انگلیاں رکھیں، آنکھیں بند کیں۔ سر جھکایا اور چند لمحوں کے بعد فرمایا کیا پیشاب کرتے ہوئے روتا ہے اس بچہ کے والدین نے ایک ساتھ کہا، اجی! یہی تو بات ہے، پیشاب کرتے وقت گر گر جاتا ہے تڑپتا ہے اور پیشاب نہیں آتا۔ چچا صاحب نے فرمایا اس کے مثانہ میں پتھری ہے، جاؤ اکسرے کرا لاؤ، چھوٹی ہوگی تو دوا سے نکل جائے گی، بڑی ہوگی تو آپریشن کرانا پڑے گا، آج کے مشینی دور میں انگلیوں کی ان کرامات پر کون یقین کرے گا، کرامات خود اپنی دیکھی ہوئی نہ ہوتیں تو مجھے بھی یقین کرنا مشکل ہوتا، اس قسم کے بہت سے واقعات ان کے مریضوں اور ہمارے اہل خاندان کے علم میں ہیں جو کوئی نادر چیز نہیں رہے تھے مشغولیت مطب کے باوجود ہمیشہ خاص دینی اور علمی مزاج رہا۔ محلہ کی ایک مسجد میں تقریباً ۴۰، ۵۰ سال تک لوجہ اللہ امامت کی اور بڑی مدت تک درس قرآن اور کبھی درس حدیث بھی بھی دیا، قرآن مجید سے بہت تعلق تھا، قرآن مجید بہت اچھا پڑھتے اور سمجھتے تھے، قرآن اتنا یاد تھا گویا حافظ قرآن ہی ہیں، بہت پابندی سے تلاوت فرماتے تھے، ہمیشہ سحر خیز اور تہجد گذار رہے، نماز تہجد کا خشوع و خضوع تو دیکھنے سے تعلق رکھتا، طویل نماز ہوتی جس میں خوب خوب گریہ وزاری ہوتی، نماز کے بعد طویل دعا کرتے جس میں مسنون دعائیں ہوتیں جو بڑی کثرت سے یاد تھیں، عربی و فارسی اور اردو کے اشعار جو رقت اور گریہ وزاری میں اضافہ کرتے پڑھتے۔ یہ تہجد کی عادت و عبادت آخر آخر دم تک باقی رہی، آخر میں جب اتنی معذوری ہو گئی تھی کہ خود تیمم بھی نہ کر سکتے اور لیٹ کر ہی نماز پڑھتے تھے، تہجد نے اس وقت بھی ساتھ نہ چھوڑا، اسی حالت میں رو کر ایک دن اپنے بڑے بیٹے مولوی ڈاکٹر محمد خالد سے فرمایا میاں جوانی کے سجدوں کے مزے ہی اور تھے، تہجد کی

طرح اوابین و چاشت کے بھی ہمیشہ پابند رہے تقریباً ۴۵ سال سے ان کی تہجد اور نوافل سے تو میں بھی واقف ہوں، نمازوں کی طرح روزے رکھنے میں بھی بڑے مرد واقع ہوئے تھے گویا روزہ رکھنا کوئی بات ہی نہ تھی، اللہ نے اپنے راستے میں خرچ کرنے کی توفیق بھی خوب خوب عطا فرمائی تھی، عزیزوں، دوستوں، اہل محلہ، واقفین، غیر واقفین سب پر خرچ کرتے اور اخفا کا حال بھی تقریباً "حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ" کے مطابق ہوتا تھا، اللہ نے دو مرتبہ حج کی توفیق بھی عطا فرمائی تھی، مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے کوئی مہمان آتا ان کا گھر مہمان خانہ اور اہل خانہ سب میزبان اور خادم۔ تقریباً ہمیشہ ہی بیک وقت کئی کئی مہمان رہتے، ان کی خاص تربیت کا اثر تھا کہ گھر کے افراد بھی مہمانوں کا دل سے اکرام کرتے۔ مہمان اعزا و اقربا بھی ہوتے اور ایسے بھی جن سے صرف دینی تعلق ہی ہوتا۔ اپنے مدرسہ کے طلبا و اساتذہ بھی ہوتے اور باہر سے آنے والے علماء اور اہل مدارس اور تبلیغی جماعتیں بھی۔ اللہ نے گھر بھی بہت بڑا دیا تھا اور اس سے بڑا دل عنایت فرمایا تھا مہمانوں کی آمد سے نہ گھر تنگ ہوتا اور نہ دل۔

مزاج میں لطافت بہت تھی گھر کے بڑوں اور بچوں سب سے مزاح بھی فرماتے اس لیے سب اہل خاندان ان کے گرد اس طرح جمع رہتے جیسے شمع کے گرد پروانے ایسی محبوبیت اور مرکزیت شاذ و نادر ہی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔

زندگی بھر شکار کا شوق رہا۔ جس میں اپنے بیٹوں سے زیادہ بھتیجے شریک رہے شکار میں بھی درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے اس سلسلہ کے بھی بڑے دلچسپ واقعات ہم لوگوں کو سناتے خود کو بھی ان کے ذکر کرنے اور سننے میں خاص لطف آتا تھا۔

تبلیغ دین، احقاق حق اور ابطال باطل کی فکر بہت رہتی تھی۔ اس راستے میں بڑی بڑی قربانیاں بھی دینی پڑیں۔ بعض اوقات اس کے لیے مال و دولت، عزت و آبرو اور نیک نامی سب کو داؤں پر لگانا پڑا۔ وہ پھر بھی نرخ بالا کن کے ارزانی ہنوز ہی کے قائل رہے اور مرتے دم تک اس جہاد کو باقی رکھا۔ تبلیغ دین مطب کے اوقات میں بھی ہوتی رہتی۔ غیر مسلم مریضوں کو توحید کی دعوت دیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کراتے اور قرآن مجید نے توحید کے جو دلائل بیان فرمائے ہیں انھیں قرآن ہی کے سہل انداز میں ذکر فرماتے۔ مسلمان مریضوں کو دین کے احکامات خصوصاً نماز، روزہ وغیرہ کی ادائیگی اور مشہور برائیوں سے پرہیز کی تلقین کرتے رہتے۔ باہر سے آنے والے ہر عالم کی تقریر کرانے کی کوشش کرتے، وقتاً فوقتاً دینی جلسوں کا انعقاد کراتے رہتے۔

سنبھل میں انجمن معاون الاسلام کے نام سے ایک عظیم دینی ادارہ ہے آپ مدت سے اس کے ناظم اعلیٰ اور متولی تھے اس کے سالانہ جلسوں میں دار العلوم دیوبند اور دار العلوم ندوۃ العلماء اور دیگر مدارس کے علماء کرام کو دعوت دیتے۔ یہ جلسے عام طور پر بہت کامیاب ہوتے تھے، اسی انجمن کی آراضی پر مدینہ مسجد کے نام سے ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی اور ایک مدرسہ مدینۃ العلوم کے نام سے قائم فرمایا جو دار العلوم ندوۃ العلماء کی شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو تادیر قائم رکھے اور چچا صاحبؒ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

ناظرین سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی پھر درخواست ہے کہ ان سطور کی تحریر کا اصل مقصد یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

مولانا محمد یوسفؒ صاحب بستوی

مولانا محمد خالد ندوی

چرخ کہن کے زیر سایہ کتنے حوادث ایسے پیش آتے ہیں جو کبھی فراموش نہیں کیے جا سکتے ان کی یاد جب بھی کبھی آتی ہے، آنکھیں اشکبار اور وجود دلفگار ہو جاتا ہے۔ جناب مولانا محمد یوسف صاحب بستویؒ کا حادثہ وصال بھی اپنی تاثیر میں اس سے کم نہیں۔ مولانا مدرسہ خیر العلوم بستی کے ناظم، خیر کالج بستی کی مسجد کے خطیب بھی تھے۔ اس کی وجہ سے ایک طرف ان کی ذات والا صفات سے علوم دینیہ کے طالب علم فیضیاب ہوتے تو دوسری طرف علوم عصریہ کے غواص بھی آپ کے دل پذیر اور اثر آفریں مواعظ کی پہنائیوں میں اتر کر علوم و معرفت کے در شاہوار حاصل کرتے تھے۔ آپ کی مرنجاں مرنج اور محبوب سرو قد شخصیت سے سبھی یکساں متاثر تھے۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے میری پہلی ملاقات بھٹکل کے دوران قیام جامعہ اسلامیہ میں غالباً ۱۹۸۰ء یا اس کے بعد ہوئی۔ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ کے مجاز بیعت ہونے کی وجہ سے بھٹکل میں ان کی حاضری بڑی قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ اس لیے کہ حضرت شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ سے تعلق رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد بھٹکل میں موجود ہے۔ جن میں ڈاکٹر علی ملپا صاحب بھی ہیں جو حضرت شاہ ابرار الحق صاحب کے مجاز بیعت بھی ہیں اور الحاج محی الدین منیری صاحب ناظم جامعہ اسلامیہ بھٹکل بھی ہیں جن کا بڑا گہرا ربط و تعلق ہے،

اس کے بعد بھٹکل میں کئی دفعہ آمد ہوئی۔ مسجدوں میں طویل تقریریں ہوئیں، مولانا روم کی مثنوی تقریر کے دوران بہت دلکش و مؤثر انداز میں پڑھتے۔ جامعہ کے اساتذہ و طلباء بہت پابندی سے ان کے پروگراموں میں شریک ہوتے۔ راقم الحروف پر بڑی شفقت فرماتے محبت و اخلاص کا معاملہ کرتے، ان کی آمد سے ہم لوگ بڑی مسرت محسوس کرتے۔ دیر تک مجلسیں رہتیں، اکثر اوقات ہمارے ہی کمرہ میں قیام فرماتے، ان کی ذات سے ایک خاص انس ملتا۔ اور بزرگوں سے محبت و عقیدت پیدا ہوتی۔ یہ تعلق بھٹکل سے واپسی پر بھی قائم رہا۔ ندوہ جب بھی آتے راقم الحروف کو بڑی محبت سے یاد کرتے، گھر پر تشریف لاتے، اللہ تعالیٰ ہال ہال مغفرت فرمائے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ بستی کے ایک دور افتادہ گاؤں بنبتھو میں پیدا ہوئے۔ گھر بر کاشتکاری ہوتی تھی۔ والد ماجد جناب حیات محمد صاحب بڑے شریف دیندار اور خدا ترس انسان تھے۔ بزرگوں سے عقیدت اور اسلاف سے محبت رکھتے تھے، ابتدائی تعلیم کے لیے بستی کے ایک قدیم ادارہ مدرسہ تذکۃ العلوم کرہی میں دینی تعلیم کے لیے اپنے معصوم فرزند محمد یوسف کو داخل کیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۴۳ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اعلیٰ تعلیم کے لیے تشریف لے گئے۔ ۱۹۴۷ء تک سہارنپور میں قیام رہا۔

فراغت کے بعد تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ سے چند سال منسلک رہے۔ حضرت تھانویؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ انھیں کے منہج و مسلک پر قائم تھے۔ ایک سال کے لیے ضلع ایٹہ کے موضع جانہ تشریف لے گئے جہاں حضرت تھانویؒ کے ایک عقیدت مند جناب حبیب محمد شروانی صاحب کا مدرسہ تھا۔ مدرسہ کو آپ کی ذات سے بڑا فائدہ پہونچا۔

طبیعت میں زہد و قناعت غالب تھی۔ اہل اللہ کی صحبتوں میں انھیں جو مزا آتا تھا۔ شاید مسند تدریس میں اس کیف کو وہ محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ضلع ایٹہ سے رخت سفر باندھ کر سیدھے الہ آباد حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ایک عرصہ تک خانقاہ میں اپنے شیخ کی خدمت میں رہے۔ اپنے ظاہر و انقیاد اور باطنی صلاح کی وجہ سے شیخ کی نظر میں محبوب ہوگئے۔ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ آپ پر بڑا اعتماد فرماتے، وعظ و ارشاد کے لیے مطالبہ پر بھیجتے۔ دعوتی اور اصلاحی سرگرمیوں میں ان کی صلاحیتوں کی قدر فرماتے۔

کچھ عرصہ کے بعد ضلع بستی کے ایک رئیس جناب خیر صاحب جو حضرت شاہ وصی اللہ صاحب سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے مطالبہ پر خیر کالج کی مسجد میں امام و خطیب کے لیے حضرت شاہ صاحب نے مولانا مرحوم کا انتخاب فرمایا۔ آپ کا خیر کالج کی مسجد سے اخیر تک تعلق قائم رہا اور مسجد سے ملحق ایک مدرسہ بھی خیر العلوم کے نام سے قائم فرمایا جس میں درجہ حفظ کے علاوہ متوسطات تک کی تعلیم ہوتی تھی، تقریباً تیس سال سے مسلسل علمی و دینی اور دعوتی خدمت انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ وہ حادثہ جانکاہ پیش آیا جس نے اس محبوب شخصیت کو ہم سب سے چھین لیا۔ ۵ رمئی بروز جمعرات پونے بارہ بجے شب میڈیکل کالج میں تین روز تک موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ تدفین کے لیے جنازہ بستی لے جایا گیا اور ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ پسماندگان میں دو لڑکیاں اور ایک صاحبزادے انجینیر محمد یعقوب صاحب ہیں جو سعودیہ میں برسر ملازمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اور مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔

آپ کی خدمت میں جدید و دلکش

سونے چاندی کے زیورات کے لیے

ہار لیاقت مدھ

گنگا پیلس

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد معروف خاں

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

فون نمبر۔ ۲۶۷۹۱۰ 267910

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ اگر کسی مدرسہ میں اہل مدرسہ کو زکوٰۃ کے مصارف میں مال زکوٰۃ صرف نہیں کرتے تو ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے یا نہیں؟

ج:۔ جن مدارس میں زکوٰۃ کے مصارف میں مال زکوٰۃ صرف نہیں کرتے ہیں خواہ اس کا یقین ہو یا ظن غالب۔ بہرصورت ایسے مدارس میں زکوٰۃ نہیں دینا چاہیئے۔

س:۔ ایک شخص کے پاس بقدر نصاب شرعی نقد روپیہ موجود ہے مگر اس کی اولاد کی شادیوں کی ذمہ داری اس پر ہے کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی؟

ج:۔ اگر اس مال پر حولان حول (سال گزرنا) ہوجاتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔ اور اگر سال گزرنے سے پہلے ہی اس مال کو ان مصارف میں صرف کر دیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

س:۔ کیا سودی رقم سے کوئی اسلامی شعبہ قائم کرنا درست ہے؟

ج:۔ سودی رقم سے جس کی حرمت قرآن و حدیث کے صریح نصوص سے ثابت ہے، کوئی اسلامی شعبہ قائم کرنا خواہ وہ کتنا ہی بڑا کار خیر ہو شرعاً درست نہیں ہے۔

س:۔ نوٹ اور پوسٹ کارڈ وغیرہ کو جیب میں رکھ کر جبکہ اس میں تصویر بنی ہوتی ہے، نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

ج:۔ تصویر والے نوٹ یا پوسٹ کارڈ وغیرہ کو جیب میں ضرورتاً رکھ کر نماز پڑھنے میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے

س:۔ ایک شخص ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھتا ہے جس میں بقدر معافی نجاست لگی ہو تو اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

ج:۔ کسی شخص کا ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا جس میں بقدر معافی نجاست لگی ہوئی ہو مکروہ ہے

س:۔ کیا مردار کا چمڑہ دباغت کے بعد قابل انتفاع ہوجاتا ہے؟

ج:۔ ہاں مردار کا چمڑہ دباغت کے بعد قابل انتفاع ہوجاتا ہے مگر اس کا کھانا جائز نہیں ہے

س:۔ صوبہ کرناٹک میں چند مساجد ایسی ہیں جہاں ہر نماز کے بعد باآواز بلند مل کر حق لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

ج:۔ حق لا الہ الا اللہ کا مقتدی اور امام کا باآواز بلند ذکر کرنا اور اس پر مداومت ہر فرض کے بعد درست نہیں ہے اس کا کوئی ثبوت شریعت مطہرہ میں نہیں ملتا ہے۔

س:۔ پردہ وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے کیا مستورات کی تعلیم ہوسکتی ہے۔ بعض حضرات اس کی مخالفت کرتے ہیں؟

ج:۔ پردہ وغیرہ کے اہتمام کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کا نظم کرنا اور دینی تعلیم کو عام کرنا کار خیر ہے۔ لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لئے اس قسم کے ادارے پورے ہندوستان میں قائم ہیں شرعاً ان کے قیام میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ جسطرح تعلیم مردوں پر فرض ہے، اسی طرح عورتوں پر بھی۔ البتہ پردہ وغیرہ کا اہتمام لازم ہے۔

س:۔ رشوت دیکر کام کرانا شرعاً کیسا ہے؟

ج:۔ رشوت دیکر کام کرانا شرعاً درست نہیں ہے، رشوت دینا اگر مجبوراً ہے کہ بغیر اسکے اپنا حق وصول نہیں ہوسکتا ہے تو صاحب معاملہ کے لئے مجبوراً جواز ہے۔

س:۔ کیا اسلامی نقطۂ نظر سے محدود کنبہ یعنی فیملی پلاننگ جائز ہے، یعنی کیا کوئی ایسا طریقہ اپنانا جس سے اولاد کو روکا جاسکے مثلاً نرودھ و مانع حمل دوائیوں کا استعمال۔

ج:۔ خاندانی منصوبہ بندی کی خاطر مانع حمل ادویہ یا نرودھ وغیرہ کا استعمال شرعاً ناجائز ہے، رزاق تو خدا تعالیٰ ہے محض فقر و فاقہ کے خوف سے مانع حمل ذرائع اپنانا صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے اور اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی تم کو بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی۔

بقیہ: حیات بعد الممات

لیکن صرف ان کی تعداد اور ترکیب کے فرق سے ایک یعنی شکر میٹھی اور نشاستہ (STARCH) پھیکا ہوتے ہیں، حالانکہ دونوں چیز میں ساخت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ لیکن ذائقہ مختلف۔ اسی طرح قدرت کھجور میں سے اس کا گچھا نکال کر شکر سے بھرے ہوئے کھجور کے خوشے اور انگور کی بیل سے بھی ویسے ہی مٹھاس سے بھرے ہوئے انگور کے خوشے دونوں میں شکر ہوتی ہے مگر ذائقہ میں فرق۔ کھجور میں SUCROSE یعنی شکر زیادہ ہوتی ہے اور انگور میں GLUCOSE شکر زیادہ ہوتی ہے۔ (باقی آئندہ)

مدرسۂ دینیہ اسلامیہ غازی پور کا اہم جلسہ

شمس الحق ندوی

شہر غازی پور اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے اور ہونا بھی چاہیے کہ وہ سید السادات سید مسعود سالار غازیؒ کے نام سے موسوم ہے، اسی تاریخی شہر میں ۱۳۵۰ھ میں مولانا عرفاروقیؒ نے مدرسہ دینیہ کے نام سے ایک چھوٹا سا مکتب قائم کیا۔ مولانا عرفاروقیؒ حکیم جمیل الدین نگینوی کے شاگرد تھے جنھوں نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا یعقوبؒ نانوتوی اور شیخ الہند کی شاگردی میں رہ کر اور ان برگزیدہ ہستیوں کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے بعد شہر غازی پور میں قیام پذیر ہو کر بساط دعوت و ارشاد بچھائی تھی، اور شہر کے اطراف میں واقع دور دور کے علاقوں کو اپنے روحانی فیضان سے سیراب کیا تھا۔ مدرسہ دینیہ جو ایک مکتب کی شکل میں وجود میں آیا تھا اس کا فیض اطراف و اکناف میں برابر جاری رہا جواب تاریخ بن چکا ہے اور ترقی کے زینے طے کرتا ہوا ایک بڑا عربی مدرسہ بن چکا ہے۔ ان دنوں اس مدرسہ کے روحِ رواں اور اسلاف کے دعوتی و تربیتی کام کو آگے بڑھانے اور اس کے لیے اپنی زندگی وقف کر دینے والے مولانا عزیز الحسن صاحب قاسمی ہیں۔ اللہ ان کی عمر دراز کرے۔

مولانا موصوف کی والہانہ بلکہ عاشقانہ دعوت پر مدرسہ مذکور کے جلسہ منعقدہ ۲۴ر اپریل ۱۹۹۴ء میں شرکت کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے غازی پور کا سفر فرمایا اور اہل غازی پور نے اسی عشق و محبت کا ثبوت پیش کیا جو ماضی میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیش کر چکے تھے۔ اس شوق میں کہ حضرت سیدؒ صاحب کا قافلہ نہ صرف یہ کہ غازی پور سے گذرا تھا بلکہ مجموعی طور پر وہاں ۹۰ دن گذارے تھے۔

راقم سطور نے بھی مولانا خالد صاحب غازیپوری کی برادرانہ محبت و تشویق پر سفر کا ارادہ کر لیا اور حضرت مولانا مدظلہ کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔ مدرسہ کے جس حصہ میں قیام تھا وہ بالکل گنگا کے کنارے پر واقع ہے اور اس جگہ سے بہت قریب ہے جہاں حضرت سید صاحبؒ کا قافلہ اترا تھا، اس لیے وہاں سکینت و روحانیت کی وہ کیفیات پائی جاتی ہیں جو کبھی کبھی بے حس و بے مایہ لوگوں کو بھی محسوس ہوتی ہیں، یوں بھی جائے وقوع بہت ہی دلکش و روح پرور منظر کا حامل ہے۔ اسی منظر کو دیکھ کر غازیانِ بادفا کے قافلۂ نوبہار کی روح برور ادائیں تصور و خیال میں گردش کرنے لگتی ہیں۔

مولانا عزیز الحسن صاحب نے جو ایک مخلص و مجاہد کارکن ہیں موقع سے فائدہ اٹھا کر پیام انسانیت کا بھی ایک جلسہ رکھا تھا اور اس کے لیے پہلے سے فضا ہموار کرنے کی پوری جد و جہد کی تھی جس کا اندازہ جلسہ سے ہوا جس میں شہر کے ہر طبقۂ فکر کے لوگ موجود تھے، اور برادران وطن کے بڑے لکھے اہم لوگوں کی بھی معقد بہ تعداد موجود تھی۔ شہر کے ڈگری کالج کے انگلش کے پروفیسر این، بی سنگھ بھی موجود تھے۔ جو بڑا سلجھا ہوا ذہن رکھتے ہیں، بلکہ جلسہ انھیں کی صدارت میں ہو رہا تھا، غازی پور کے ڈی ایم بابو رام یاد جیسے موجود تھے۔ پیام انسانیت کا یہ جلسہ جس کو انیس چشتی صاحب پوزنکٹ کر رہے تھے بہت کامیاب رہا۔ جلسہ سے مولانا عزیز الحسن صاحب کی ہر دلعزیزی کا بھی اندازہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی گوناگوں صلاحیتوں سے وہ کام لے جو سطحی و جزئی چیزوں سے بلند کر کے اپنے کسی مخلص بندے سے لیا کرتا ہے، مولانا بہت کھلے ہوئے ذہن کے محسوس ہوئے، ان کی فکری سطح اور جذبۂ دعوت کافی بلند نظر آیا جس سے بڑی امیدیں بندھتی ہیں۔ اس وقت امت مسلمہ کے لیے سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ اس کے بہت سے مخلص کارکن بھی چھوٹے چھوٹے دائروں کی عصبیت میں مبتلا ہو کر اپنی افادی صلاحیتوں اور امت کے لیے مفید سے مفید تر بننے والی طاقتوں اور جوہر آبدار کو بے آب بنا دیتے ہیں۔

رات میں عام جلسہ تھا جس میں حاضرین کی تعداد اتنی بڑی تھی کہ لوگوں نے بتایا کہ عرصہ کے بعد کسی جلسہ میں اتنی بڑی تعداد دیکھی۔ لوگ جمع ہوئے جلسہ کا افتتاح تلاوت کلام پاک کے بعد ایسے خطبۂ استقبالیہ سے ہوا جس میں اہل غازی پور کی دعوتی تحریکوں سے دلچسپی اور ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی شہری تاریخ کا مغز پیش کر دیا گیا تھا جس کو صدر مجلس استقبالیہ مرزا اشفاق بیگ ریٹائرڈ پرنسپل مسلم انٹر کالج نے پیش کیا۔ پھر حضرت مولانا مدظلہ کی تقریر ہوئی جس

کے لیے مجمع سراپا اشتیاق بنا بیٹھا تھا۔

حضرت مولانا مدظلہ کے بعد راقم سطور نے بھی حضرت مولاناؒ کے ارشادات ہی کی روشنی میں کچھ عرض کیا اور آخر میں مولانا محمد خالد غازی پوری نے حضرت مولانا ہی کے منشا و مراد کے مطابق مفصل تقریر کی۔ ۱۲ بجے کے قریب مولانا سید مرتضیٰ صاحب کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا، یہ سب کچھ مدرسہ دینیہ اسلامیہ کا فیض تھا جس کے روح رواں اس وقت مولانا عزیز الحسن صاحب ہیں۔

غازیپور پہنچ کر مولانا خالد صاحب کے گھر نہ جانا بڑی ناسپاسی کی بات تھی، موسم سخت تھا حضرت مولانا مدظلہ بہت تھکے ہوئے تھے طبیعت بھی ناساز تھی، وقت تنگ تھا لہٰذا مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب کی ہم رکابی میں مولانا خالد صاحب کے گاؤں جانا ہوا وہاں حضرت مولانا کے شوق دیدار میں دور دور سے لوگ آئے ہوئے تھے وفور شوق میں گاؤں تک جانے والی سڑک کو وہاں کے نوجوانوں نے کئی کیلو میٹر دور تک خود سے درست کر رکھا تھا تاکہ حضرت مولانا کو تکلیف نہ ہو۔ مغرب کی اذان ہو رہی تھی کہ ہم لوگ گاؤں میں داخل ہوئے جہاں گاؤں کے مکتب کے بچے اور عوام جمع تھے اور دور سے آنے والے مایوس ہو کر جا چکے تھے، وقت بہت تنگ تھا رات کے جلسہ میں شرکت ضروری تھی اس لیے بچوں کی دلداری کے لیے کچھ دیر بچوں کا پروگرام رہا، چند منٹ ہم نے تقریر کی، پھر مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب کے مختصر بیان اور دعا پر اکتفا کر کے واپسی ہوئی، غازی پور سے واپسی میں نواب فرزند علی صاحب جنھوں نے رائے بریلی میں حاضر ہو کر ان الفاظ کے ساتھ اپنے جگر پارے کو خدمت میں پیش کیا تھا "میری تمنا ہے کہ اسمٰعیل ذبیح اللہ کی طرح راہِ خدا میں اس کی گردن پر بھی چھری چلے" اللہ تعالیٰ نے نواب صاحب کی یہ تمنا پوری کی اور نواب زادہ امجد علی نے سید صاحب کے ساتھ جام شہادت نوش کیا، نواب صاحب کے اعزا سے ملتے ہوئے جو حضرت مولانا کے لیے سراپا انتظار تھے بنارس اور بنارس سے لکھنؤ واپس ہوئے مولانا سید محمد رابع صاحب مولانا واضح رشید صاحب اور مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی بھی شریک سفر تھے مگر یہ حضرات پیام انسانیت کے جلسے میں شرکت کے بعد لکھنؤ واپس ہو گئے اور ان حضرات کی تقریروں سے جلسۂ عام کے سامعین فیضیاب نہ ہو سکے۔

بقیہ: ہمارا آئینی حق

اور سہ پہر کے منتخب ماہرین تعلیم دینی مدارس کے اہم ذمہ داران عصری اور اقلیتی تعلیمی اداروں کے اساتذہ مینجر اور پرنسپل کے علاوہ ان اضلاع کے عام نمائندے بڑی تعداد میں شریک ہوئے مولانا برہان الدین سنبھلی نے اپنی صدارتی تقریر میں دینی اور عصری تعلیم کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور دینی تعلیمی کونسل کی خدمات کو سراہا اور مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اس بنیادی کام کی اہمیت کو محسوس کریں جس کے بغیر ان کی شناخت نامکمل قرار دی جائے گی۔

سہ پہر کے دوسرے اجلاس میں بھی نمائندوں نے ذوق و شوق سے حصہ لیا۔ اقلیتی تعلیمی اداروں کی ایسوسی ایشن کے سکریٹری مسٹر حبیب اللہ اعظمی نے اس اجلاس میں ایسوسی ایشن کی کارکردگی حکومت سے رابطہ کی تفصیلات اور آئندہ کے منصوبوں اور موجودہ حالات پر روشنی ڈالی۔

ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی سکریٹری دینی تعلیمی کونسل نے نمائندوں کے دونوں اجلاس کے علاوہ رات کے جلسۂ عام میں بھی تقریر کی اور وضاحت کے ساتھ تحریک کا پورا خاکہ پیش کیا اور مسلمانوں کے اس مجمع میں جہاں مختلف مکاتب فکر کے لوگ موجود تھے ان کے سامنے دینی تعلیمی کونسل کی دعوت کو ایک قدر مشترک قرار دیتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ حالات اور وقت کی ضرورت کا تقاضہ ہے کہ فقہی اور مسلکی اختلافات سے اوپر اٹھ کر اپنی زبان اردو اور بنیادی اور ابتدائی دینی تعلیم کے حصول میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ یہ تحریک ایک خوشگوار امتزاج ہے جس میں ہر حلقہ کی نمائندگی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ دینی تعلیمی کونسل نے گذشتہ چوتھائی صدی سے خود کو تعلیم کے لیے وقف کیا ہے جس کے مثبت نتائج سامنے آئے ہیں۔

مختلف تجاویز کے ذریعہ حکومت اتر پردیش سے مطالبہ کیا گیا کہ سرکاری درسی کتب میں قابل اعتراض اجزا کو فوراً حذف کیا جائے، اقلیتی تعلیمی اداروں کو اقلیتی حیثیت دی جائے، اردو کی تعلیم کا معقول بندوبست کیا جائے، دینی تعلیمی کونسل کی سند درجہ پنجم کو منظور کیا جائے، تعلیمی کمیٹیوں میں کونسل کو نمائندگی دی جائے۔ حکومت سے ان مطالبات کے علاوہ عام مسلمانوں سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ ایک غیور، باحیت اور باشعور مسلمان کی حیثیت سے ان مطالبات کی تکمیل کے انتظار پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنے اداروں کے قیام و استحکام اپنی زبان کی تعلیم و ترقی اپنی معاشرت اور تہذیب کی حفاظت کا خود بندوبست کریں۔

مولانا ڈاکٹر فرقان احمد نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور انجمن تعلیمات دین بھٹوں کے صدر قاضی اظہار الحق نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، کونسل کے سکریٹری مولانا عبداللہ اجراڑوی نے تحریک کی اہمیت پر زور دیا۔ مغربی اضلاع پر مشتمل یہ علاقائی کانفرنس نئے حوصلوں اور مستقبل کے لیے نئے جوش و جذبات کی بشارت کے ساتھ ختم ہوئی۔

بقیہ درس حدیث

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی اور کی ملکیت نہیں ہے تو یہ زمین اسی آباد کرنے والے کی ہوجائے گی وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔ حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں یہی فیصلہ دیا ہے۔

ان آیات اور احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کھیتی اور باغبانی اقتصادیات کا اہم ترین عنصر ہیں کہ ذرائع معاش کو بڑھانے اور آمدنی کے حصول میں یہ دونوں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں، خواہ صاحب زمین خود کام کرے یا بٹائی اور اجرت پر کام لے۔

حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ انھوں نے ان کو بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو نصف آمدنی کے عوض خواہ وہ کھجور کی شکل میں یا غلہ وغیرہ کی شکل میں ہو بٹائی پر دیا اس آمدنی میں آپ ایک سو وسق ازواج مطہرات کو عطا فرماتے تھے، جس میں اسّی وسق کھجور ہوتے تھے اور ۲۰ وسق جو۔[۴]

حضرت نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا علاقہ یہودیوں کو دے دیا کہ وہ اس میں کام کریں کھیتی باڑی کریں جو پیداوار ہوگی اس کا آدھا حصہ ان کو دیا جائے گا۔[۵]

معلوم ہوا کہ اسلام غیر آباد و بنجر زمینوں کو آباد و کارآمد بنانے پر آمادہ کرتا ہے جو شوق و ترغیب کے انداز میں ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پسند فرماتے تھے کہ مسلمانوں کو زمین آبادکاری میں شوق و رغبت بلکہ مقابلہ و مسابقت کے ساتھ حصہ لیتے دیکھیں لہٰذا وقتاً فوقتاً اس پر آمادہ فرماتے رہتے تھے۔

امام مسلم نے عبد بن حمید سے اور انھوں نے مسلم بن ابراہیم کے حوالہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری خاتون ام مبشر کے کھجور کا ایک پودا دیکھا تو سوال کیا کہ یہ پودا کس نے لگایا ہے کسی مسلمان نے یا غیر مسلم نے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ مسلمان نے لگایا ہے۔

یہ حدیث اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی ہر پہلو سے تربیت فرماتے تھے۔ ایمان و یقین کی تربیت بھی، جہاد و جانفشانی کی تربیت بھی، کھیتی باڑی اور معاش کی تربیت بھی کہ معیار معیشت درست رہے تاکہ بندۂ مومن کسی دوسرے پر بار نہ بنے، حدیث سے کاشت و باغبانی اور زمین کو کارآمد بنانے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، حدیث سے جائداد بنانے اور اس کی دیکھ بھال رکھنے کا ثبوت ملتا ہے۔[۶]

اس حدیث کی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ وسلم نے کھجور لگانے کو اولیت دی ہے۔ اس لیے کہ وہ اہم اقتصادی و طبی فوائد اور نقد آمدنی کا زبردست ذریعہ ہے جسم کو توانائی بخشتا ہے، مومن کے قویٰ کو بڑھاتا ہے اور جہاد کی مشقتوں کو برداشت کرنے کے قابل بناتا ہے، ابھی تک کوئی ایسی غذائی چیز نہیں دریافت ہوسکی جو کھجور کی مختلف قسموں سے حاصل ہونے والی توانائی کی کچھ بھی برابری کرسکے، خصوصاً وہ کھجور جو مدینہ منورہ میں لگائے جاتے تھے، اسی لیے اسلام آمدنی کو بڑھانے، معاش کے لیے کام کرنے اور باغبانی وغیرہ کا شوق دلاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو بندۂ مومن بھی کھجور لگاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کھجور سے جتنا بھی پھل نکلے گا سب کا اجر لکھ دیتا ہے۔[۷]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پودا لگانے اور کھیتی کرنے پر ابھارنے کے مختلف طریقے اختیار فرمائے ہیں چنانچہ فرمایا: "اس درخت یا کھیتی سے پرندے انسان، حتیٰ کہ جانور جو بھی کھائے گا اور فائدہ اٹھائے گا سب کا سب صدقہ میں شمار ہوگا" اور قیامت کے دن بندہ اپنے اعمال حسنہ کی ترازو میں اس کو موجود پائے گا۔ آپ نے یہ اسلوب اس لیے بھی اپنایا تاکہ بندۂ مومن جو دونخا اور مختلف انداز سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں دریا دل ہو جائے، جب بندۂ مومن چڑیوں کو کھلا کر اجر کا مستحق ہوگا، جانوروں کو کھلانے میں اس کو نیکی ملے گی تو اپنے پریشان حال پڑوسی اور اعزہ و اقربا کو کھلانے پلانے اور ان کی مدد کرنے میں اس کے اجر و ثواب کا کیا درجہ ہوگا؟

(جاری)

---

[۱] بخاری و مسلم۔ [۲] بقرہ ۲۳۔ [۳] نحل ۱۰۔ [۴] ملک ۱۵۔ [۵] کتاب الحرث والمزارعہ باب فصل الزرع والغرس۔ [۶] بخاری باب المزارعہ مع الیہود۔ [۷] فتح الباری کتاب الحرث والمزارعہ [۸] مسند احمد بن حنبل

تصحیح

شمارہ ۱۰ رمئی ۱۹۹۴ء کے صفحہ ۱۶ کالم ۳ سطر ۱۶ پر ۲۵۰ کی جگہ ۵۹۵ پڑھا جائے۔

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● افغانستان کی خانہ جنگی ختم کرانے کی غرض سے خانہ کعبہ کے امام شیخ محمد بن عبداللہ سبیل کی سربراہی میں ایک مصالحتی کونسل کا قیام عمل میں آیا ہے جس میں ۲۵ اسلامی ملکوں کے ۷۵ علماء شامل ہیں، کونسل کا پہلا اجلاس پاکستان کے سرحدی شہر پشاور میں ہوا، اجلاس میں افغانستان کے علماء اور سیاسی لیڈروں سے اپیل کی گئی کہ ملک کی خانہ جنگی ختم کرانے کے لیے خلوص دل سے تمام لوگ کوشش کریں، نیز اپنے اختلافی مسائل کو قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق حل کریں، یہ مصالحتی کونسل قیام امن تک کام کرتی رہے گی۔

● اردن نے امریکہ کی اوسکر انعام یافتہ فلم شنڈلرس لسٹ پر پابندی لگا دی ہے اور کہا ہے کہ مسجد ابراہیم میں پچاس نمازیوں کے اجتماعی قتل کے بعد ایک ایسی فلم کی نمائش عوام کے جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے، فلم میں یہودیوں کو معصوم اور بے قصور دکھایا گیا ہے جب کہ وہ ظالم اور غاصب ہیں۔

● ملیشیا کی وزارت اطلاعات و نشریات نے ٹیلی ویژن پر اسلامی پروگراموں کے اوقات میں مزید اضافہ کر دیا ہے، اب یہ پروگرام ۱۸ گھنٹے تک جاری رہے گا جب کہ اس سے قبل ۸ گھنٹے کا تھا، اسلامی پروگرام کی زیادتی کی وجہ سے تجارتی پروگراموں اور اعلانات کے اوقات میں کمی کر دی گئی ہے۔

● امریکہ کے سابق وزیر خارجہ ہنری کیسنجر نے اپنے ایک طویل انٹرویو میں بتایا ہے کہ امریکہ آئندہ دس سال کے بعد سپر پاور نہیں رہے گا اور قوی امکان ہے کہ ملک تقسیم ہو جائے گا کیونکہ ملک کے پالیسی سازوں نے ایشیا کے بڑے بحرانوں کے حوالے سے اپنے قومی مفادات کا تعین نہیں کیا ہے اس کے علاوہ امریکہ کو آئندہ برسوں میں اسلام پسندوں، بھاری تعداد میں نسل انسانی کی نقل مکانی، اور بوسنیا کے جیسے تنازعات کا سامنا رہے گا، جو کسی بھی وقت علاقائی انارکی کا باعث بن سکتے ہیں۔

● سرزمین راجستھان سے پہلا علمی، تعلیمی، دینی، دعوتی، اصلاحی و ادبی ماہنامہ۔
● جامعۃ الہدایہ جے پور کا ترجمان ● مدارس اسلامیہ و عربیہ میں ایک متوازن اور انقلابی نظام تعلیم کا داعی ● دعوت دین کے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ● اصلاح معاشرہ کا علمبردار ● ادب اسلامی کا نقیب۔

ماہنامہ ہدایت جے پور

دعوت و اصلاح اور تعلیم و ادب کی اس آواز کو گھر گھر پہنچائیے

خود ممبر بنئے اور دوسروں کو ممبر بنائیے

شرح خریداری

فی شمارہ ۱۰ روپے ○ ششماہی زرتعاون ۶۰ روپے ○ سالانہ ۱۲۰ روپے
خصوصی زرتعاون سالانہ ۵۰۰ روپے ——— لائف ممبر شپ تین ہزار روپے

خط و کتابت کا پتہ

'ھدایت' پوسٹ بکس نمبر ۳۵، ۱۶۱۷، کھیجڑے کا راستہ بالمقابل ہدایت مسجد اندرا مارکیٹ جے پور

نوٹ: چیک یا ڈرافٹ پر HIDAYAT MONTHLY ضرور لکھیں۔

"HIDAYAT" MONTHLY, POST BOX NO. 35, 1617 KHEJRON KA RASTA, OPP. HIDAYAT MASJID, INDIRA BAZAR, JAIPUR-302001

Regd. No. LW/NP56

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

علمائے حق کی توہین دینِ حق کے خلاف علمِ بغاوت ہے

اب جب کہ سلسلۂ نبوت اپنے عروج کمال پر پہنچ کر ختم ہوگیا تو امت مرحومہ کی تاقیام قیامت اصلاح و رشد کے لئے "علماءِ حق" کے سوا دوسری کوئی جماعت نہیں ہوسکتی اور منصبِ نبوت کے خصوصی شرف کے علاوہ ان کی حیثیت بلاشبہ وہی ہے جو موسیٰؑ کی تعلیم کے نشر و ابلاغ کے لئے انبیاء بنی اسرائیل کی تھی۔

ہم نے "عالم" کے ساتھ حق کی شرط لگائی ہے اس لئے کہ نبی اکرمؐ نے "علماءِ سوء" کو "شرار الخلق" بدترین مخلوق فرمایا ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ جس طرح "علماءِ سوء" کی پیروی امت کی گمراہی کا باعث ہوتی ہے اس سے زیادہ دین کی بربادی کا سامان اس طرح مہیا ہوتا ہے کہ "علماءِ سوء" کی آڑ لے کر "علماءِ حق" کے خلاف امت میں بدگمانی پھیلائی جائے اور ان کا استہزاء و تمسخر کرکے "دین قیم" کو تباہ کرنے کی سعی نامشکور کی جائے اور "حق" اور "سوء" کے امتیاز کے لیے کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کو حکم بنانے کی جگہ اپنی آراء اور خواہشات کی موافقت و مخالفت کو "معیار" قرار دے لیا جائے۔

نیز مخصوص اشخاص و افراد کی مخالفت کے جذبہ میں عام طریقہ پر "علماءِ دین" کو ہدفِ ملامت بنانا اور ان کی توہین و تذلیل کرنا دراصل "دین حق" کی تعلیم کے خلاف "علمِ بغاوت" بلند کرنا ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ ـــــ قصص القرآن ج ۲

Office : 385538
Princi : 72336
G. House : 73864

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY
NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات عمدہ و اعلیٰ قسم کے روغنیات و عرق کیوڑہ، عرق گلاب و دیگر عطریات کی ایک قابل اعتماد دوکان۔ ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں۔

خط و کتابت کا پتہ

اظہار احمد اینڈ سنس پرفیومرس چوک لکھنؤ

IZHAR AHMAD & SONS PERFUMERS TRADE MARK CHOWK LUCKNOW

بمبئی کے قارئین تعمیرِ حیات سے

بمبئی کے قارئین تعمیرِ حیات حضرات سے گذارش ہے کہ تعمیرِ حیات کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں وہاں اس کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
Tea Merchants
44, Haji Building,
S.V. Patel Road, Null Bazar,
Bombay 400003
Tele.: Add CUPKETLE Tel.
3762220/ 3728708
Tel.(R) 3095852

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ کی بہترین دوا

لیبل پر ڈرگ لائسنس نمبر U18/77 اور کیپ سیل پر LT مارکہ ضرور دیکھیں، انڈین کمپنی کی کہیں کوئی برانچ نہیں ہے دھوکہ نہ کھائیں۔ منو کا بنا اصلی نورانی تیل منو کا پتہ دیکھ کر خریدیں۔

INDIAN CHEMICAL MAU. N.B. 275101

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات ایک تحریک ہے، اس کی توسیعِ اشاعت میں حصہ لیں۔